اپنی تاریخ سے ناآشنا قومیں اپنے جغرافیے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں

خطاب بہ جوانانِ اسلام

علّامہ اقبال

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کیا تونے؟ — وہ کیا گردوں تھا، تُو جس کا ہے اک ٹُوٹا ہوا تارا؟

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں — کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

تمدّن آفریں، خلاّقِ آئینِ جہاں داری — وہ صحرائے عرب، یعنی شُتربانوں کا گہوارا

سماں اَلفقرُ فخرِی کا رہا شانِ امارت میں — بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت رُوئے زیبارا

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے — کہ مُنعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے — جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں — مگر تیرے تخیّل سے فزوں تر ہے وہ نظّارا

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی — کہ تو گفتار، وہ کردار، تُو ثابت، وہ سیارا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی — نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی — جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

(بانگِ درا)

اسلامی فتوحات کی عہد بہ عہد سنہری تاریخ

اٹلس فتوحاتِ اسلامیہ

خلافتِ صدیقی سے خلافتِ عثمانیہ کے عروج تک وسطِ ایشیا سے مراکش واندلس اور وسطِ یورپ تک

■ 150 قدیم وجدید رنگین نقشے ■ تاریخی مقامات کی 300 نایاب تصاویر ■ نادر معلومات سے آراستہ

تالیف احمد عادل کمال ترجمہ واضافہ محسن فارانی

سعودی عرب (ہیڈآفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659

E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com

Website: www.darussalam.com

- الریاض۔ العلیا۔ فون: 4614483 01 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 01 فیکس: 4735221 • سویلم فون: 2860422 01
- مندوب الریاض: موبائل: 0503459695-0505196736 • قصیم (بریدہ): فون / فیکس: 3696124 06 موبائل: 0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948-0506640175 • مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس: 8151121 موبائل: 0503417155
- جدہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270 • الخبر فون: 8692900 03 فیکس: 8691551
- ینبع البحر فون / فیکس: 3908027 04 موبائل: 0500887341 • خمیس مشیط فون / فیکس: 2207055 07 موبائل: 0500710328

شارجہ فون: 5632623 6 00971 امریکہ • ہوسٹن فون: 7220419 713 001 • نیویارک فون: 6255925 718 001

لندن فون: 4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون: 4040 9758 2 0061

پاکستان (ہیڈآفس و مرکزی شوروم) • 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072

موبائل: 4212174 0321-8484569 0322 • غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

کراچی طارق روڈ بالمقابل فری پورٹ شاپنگ مال فون: 4393936 21 0092 فیکس: 4393937

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون / فیکس: 2281513 51 0092 موبائل: 5370378 0321

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

كمال، احمد عادل

اطلس الفتوحات الاسلامية باللغة الاردية - احمد عادل كمال - الرياض، ١٤٢٨ هـ

ص: ٤٩٤ مقاس: ٢٤×١٧ سم

ردمك: ٢-٤-٩٩٨٤-٩٩٦٠-٩٧٨

١. الفتوحات الاسلامية ٢. التاريخ الاسلامي أ. العنوان

ديوي ٩٥٣   ١٤٢٨/٦٢٥٣

رقم الإيداع: ١٤٢٨/٦٢٥٣

ردمك: ٢-٤-٩٩٨٤-٩٩٦٠-٩٧٨

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

انتساب

ہر اُس مسلمان مرد اور عورت کے نام جو اس پُرفتن دور میں، دنیا کے کسی بھی خطے میں، اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اسلام کی سربلندی اور اُمتِ مسلمہ کی ''نشاۃ ثانیہ'' اور عظمتِ رفتہ کی بحالی کا عظیم الشان فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔

مضامین

اس جلد میں صرف پہلا حصہ موجود ہے۔

حصہ اول

حصہ سوم

حصہ چہارم

عرض ناشر

اسلام آفاقی دین ہے۔ اس کی تعلیمات سچی، خالص اور عقیدۂ توحید پر استوار ہیں۔ اگرچہ سابق انبیاء علیہم السلام بھی اسلام ہی کی تبلیغ کرتے رہے، تاہم ان کے پیروکاروں نے اللہ کے دین میں تحریف کرتے ہوئے کفر وشرک کی راہ اپنا لی۔ پھر نبیٔ آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے دین اسلام کی تکمیل ہوئی اور اب یہ دین قیامت تک بنی نوع انسان کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے۔

نبی ﷺ کی سربراہی میں سن 1 ہجری/622ء میں جو اسلامی ریاست قائم ہوئی، وہ تاریخ انسانی کا ایک بے مثال تجربہ تھا۔ کفر وشرک کے علمبرداروں نے ریاست مدینہ کو ملیامیٹ کرنے کی اپنی سی کوششیں کیں اور بار بار اس شہر مقدس پر لشکر کشی کی مگر وہ اُلوہی وعدہ، جو بذریعہ وحی کیا گیا تھا، ایفا ہو کے رہا اور نبی ﷺ اور آپ کے سچے پیروکاروں کے لیے افزونیٔ ایمان کا باعث بنتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی سے فرمایا تھا:

﴿ يُرِيدُونَ لِيُطْفِـُٔوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ○﴾

''وہ (کافر ومشرک) چاہتے ہیں کہ اپنے منہ (کی پھونکوں) سے اللہ کے نور کو بجھا دیں جبکہ اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، خواہ کفار ناپسند کریں۔'' [1]

خاتم النبیین ﷺ کی دس برسوں پر محیط مدنی زندگی کے پہلے پانچ سال کفار کی یورش کے مقابلے میں اسلام اور اہلِ اسلام کا دفاع کرتے ہوئے گزرے اور آخری پانچ سال اسلام کے غلبے اور تفوق وشوکت کے سال ٹھہرے۔ اس دوران میں بدر (2ھ)، احد (3ھ) اور احزاب (5ھ) کے تاریخی معرکے پیش آئے۔ 6ھ میں یہودیوں کا گڑھ خیبر فتح ہوا اور ربیع الاول 8ھ میں مؤتہ (اردن) کے مقام پر مسیحی رومیوں اور ان کے باجگزار مسیحی غسانیوں کے خلاف تادیبی جنگ لڑی گئی کیونکہ شُرحبیل بن عمرو غسانی نے سفیر نبوت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ یہ تاریخ انسانی کا عجیب ترین معرکہ تھا۔ تین ہزار جانباز دو لاکھ کے لشکر جرار کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے تین سپہ سالار یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اور پھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کمال دانائی سے لشکر اسلام کو لڑاتے ہوئے پیچھے لے آئے۔ اس ایمان افروز معرکے نے کفار پر مسلمانوں کی دھاک بٹھادی۔ اس کے چار ماہ بعد عرب کا مرکز مکہ فتح ہو گیا اور پھر قبائل عرب یکے بعد دیگرے اسلام قبول کرتے چلے گئے۔ اگلے سال 9ھ میں جب شمال کی طرف سے رومیوں کے حملے کا خطرہ درپیش تھا تو غزوۂ تبوک میں ایک بار پھر اسلامی شان وشوکت کا اظہار ہوا اور صلیبی رومی مسلمانوں کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کر سکے۔

ربیع الاول 11ھ میں نبیٔ اکرم ﷺ نے رحلت فرمائی تو خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جزیرہ نمائے عرب میں اٹھنے والے فتنۂ ارتداد کے استیصال کا مسئلہ درپیش ہوا۔ اس کے باوجود انھوں نے نبی ﷺ کے تیار کردہ لشکرِ اسامہ کو شام کی جانب رومیوں کے مقابلے میں روانہ فرمایا جو آپ ﷺ کے مرض کی شدت کے پیش نظر مدینہ کے باہر رک گیا تھا۔ یہ لشکر مظفر ومنصور ہو کر چالیس دن بعد خاصے مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ مدینہ لوٹا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حروب ارتداد سے فارغ ہوئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں عراق پر لشکر کشی کا حکم دیا (جو ان دنوں سلطنت

[1] الصف 8:61.

فارس میں شامل تھا) کیونکہ مغرور حکمرانِ فارس خسرو پرویز نے چندسال پہلے نبی ﷺ کا دعوتی خط پھاڑ کر اسلامی سلطنت کو چیلنج کیا تھا۔ یوں فارس کے ساسانی اور قسطنطنیہ کے رومی حکمران اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتے ہوئے نورِ اسلام کے فروغ میں بہت بڑی رکاوٹ تھے، اس لیے ان دونوں باطل طاقتوں کے خلاف عساکرِ اسلام کی پیش قدمی کا جواز پیدا ہو گیا تھا۔

ایک بار جب اسلامی عساکر نے فارس (ایران) اور روم دو محاذوں کی طرف پیش قدمی کی تو پھر آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے اور ان کے قدم کہیں نہ رُکے۔ دریں اثناء یرموک اور قادسیہ کے فیصلہ کن معرکوں میں مسلمانوں کی فتوحات نے شام و فلسطین اور عراق و فارس کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھول دیے۔ پھر مسلمان ایک طرف سیستان و خراسان اور آرمینیا و آذربائیجان میں داخل ہوئے تو دوسری طرف مصر و نوبیہ، طرابلس اور افریقیہ فتح کرتے ہوئے بحرِ اوقیانوس کے ساحل (مراکش) تک جا پہنچے۔ اور پہلی صدی ہجری ختم ہونے میں ابھی سات آٹھ سال باقی تھے جب اسلام کے پرچم مشرق میں ماوراء النہر، سندھ اور ملتان سے لے کر مغرب میں جزیرہ نمائے آئی بیریا (اندلس و پرتگال) اور جنوبی فرانس تک لہرا رہے تھے حتیٰ کہ وسطی فرانس میں جنگ تورز (114ھ/632ء) میں امیر عبدالرحمٰن غافقی کی شہادت سے مسلمانوں کے پیرس کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ ایک مغربی مؤرخ لکھتا ہے کہ اگر جنگ تورز میں مسلمان فتح یاب ہو جاتے تو آج پیرس اور لندن کے گرجوں میں گھنٹیاں بجنے کے بجائے اذانوں کی صدائیں بلند ہوتیں۔

پھر تیسری صدی ہجری میں مسلمانوں نے بحیرۂ روم کے جزیرے کریٹ، صقلیہ (سسلی)، جزائر بلیارک، سارڈینیا، مالٹا اور جنوبی اٹلی فتح کر لیے۔ اس طرح کم و بیش سارا بحیرۂ روم اسلامی بحری بیڑوں کی جولانگاہ بن گیا۔ پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں یورپی عیسائیوں نے بیت المقدس (یروشلم) کی بازیابی کے نام پر صلیبی جنگوں (1096ء-1291ء) کا آغاز کیا اور وہ ساحلِ شام اور فلسطین پر قابض ہو گئے، تاہم سلطان نورالدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، ملک الکامل، رکن الدین بیبرس اور سیف الدین قلاوون نے انھیں بتدریج ان علاقوں سے نکال باہر کیا، بالخصوص سلطان صلاح الدین ایوبی کا جنگ حطین (583ھ/1187ء) میں شاندار فتح کے بعد بیت المقدس کو صلیبی قبضے سے چھڑانا ایک بے مثال کارنامہ تھا۔

فتوحات کا تیسرا دور ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں اناطولیہ (ترکی) میں سلطنت عثمانیہ کے قیام کے ساتھ شروع ہوا اور دیکھتے دیکھتے ترکانِ عثمانی درۂ دانیال پار کر کے یورپ میں دریائے ڈینیوب تک پہنچ گئے اور بلغاریہ، مقدونیہ، البانیہ، کوسوو، سربیا اور رومانیہ میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ نصف صدی بعد 857ھ/1453ء میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کر کے ڈیڑھ ہزار سال سے قائم رومی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اس جری سلطان نے کریمیا، ترابزون، یونان، ولاچیا (رومانیہ)، بوسنیا و ہرزیگووینا اور یونانی جزائر بھی فتح کر لیے۔ اور اگلی ایک صدی کے اندر اندر مالڈیویا، کروشیا، سلاوینیا، قبرص، روڈس، ہنگری، شام، فلسطین، اردن، مصر، حجاز، یمن، عراق، طرابلس الغرب (لیبیا)، بحرین، تیونس، الجزائر، مراکش، موریتانیہ، مالی، سوڈان، صومالیہ، بورنو (نائیجیریا)، باگیرمی (چاڈ) اور ممباسہ (مشرقی کینیا) سلطنت عثمانیہ میں شامل ہو گئے۔ یوں خلافت عثمانیہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت بن گئی۔ اس سے پہلے ترائن کی دوسری جنگ (1192ء) میں پرتھوی راج کو شکست دے کر سلطان شہاب الدین غوری نے شمالی ہند میں اسلامی سلطنت قائم کر لی تھی جبکہ ایک صدی بعد جنوبی ہند میں اسلامی عساکر کی پیش قدمی سے وارنگل (دکن) تک اسلامی پرچم لہرانے لگا تھا۔

اسلامی فتوحات کی یہ ایک ہزار سالہ تاریخ مسلمانوں کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا وہ ریکارڈ ہے جو عالم اسلام کے ہر فرد و بشر کے دل میں ولولہ پیدا کرتا ہے۔امت مسلمہ کے ان ادوار کی تاریخ مؤرخین نے اپنے اپنے انداز میں رقم کی ہے مگر کچھ عرصہ پہلے تک اسے قدیم وجدید رنگین نقشوں کے ساتھ پیش کرنے کی کوئی کوشش سامنے نہیں آئی تھی۔ یہ شرف سب سے پہلے شام کے فاضل دکتور شوقی ابوخلیل ﷾ کو حاصل ہوا جنھوں نے أطلس التاریخ العربی الإسلامی تیار کی جو دار الفکر (دمشق) کی طرف سے شائع کی گئی۔اس کے بعد ان کی دو اور اٹلسیں منظر عام پر آئیں جو دارالسلام (الریاض۔لاہور) نے اردو میں اطلس القرآن اور اٹلس سیرت نبوی کے نام سے شائع کیں۔ان میں فاضل محقق محسن فارانی کے قلم سے اضافی توضیحات وتشریحات خاصے کی چیز ہیں۔دارالسلام کی شائع کردہ ان دونوں اٹلسوں کو اردو خواں شائقین نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور یہ اس ادارے کی بہت مقبول کتب میں شمار ہوتی ہیں۔

رنگین نقشوں کے ساتھ تاریخ پیش کرنے کا دوسرا وقیع کام استاذ **احمد عادل کمال** ﷾ کی عربی تصنیف أطلس الفتوحات الإسلامیہ ہے جسے دارالسلام (قاہرہ-اسکندریہ) نے 1425ھ/2005ء میں شائع کیا۔

استاذ احمد کمال قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ان کو اسلامی تاریخ سے شغف ہے۔انھوں نے حکومت کے مختلف اعلیٰ مناصب پر کام کیا اور ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ کے حوالے سے مسلسل کام کرتے رہے۔سب سے پہلے انھوں نے قاہرہ کی اٹلس مرتب کی جس میں اس قدیم شہر کی تاریخ کے ساتھ ساتھ اس کے مکمل نقشے شامل کیے اور اس کی خوبصورت تصاویر شائع کیں۔ یہ اٹلس بلاشبہ قاہرہ کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بڑی مفید چیز ہے۔اس کے علاوہ ان کی اسلامی تاریخ کے حوالے سے مشہور کتابیں الطریق إلی المدائن، القادسیة، سقوط المدائن ونھایة الدولة الساسانیة، الطریق إلی دمشق اور الفتح الإسلامي لمصر ہیں۔انھوں نے بعض صحابۂ کرام ﷡ کے حالات زندگی پر بھی کتب تالیف کیں۔ میرے نزدیک ان کا سب سے اہم کام أطلس الفتوحات الإسلامیہ ہے۔فاضل مؤلف کو ان کی علمی، ادبی اور تحقیقی خدمات کے اعتراف کے طور پر مصری حکومت کی جانب سے متعدد انعامات اور میڈلز سے نوازا گیا۔

راقم دنیا کے مختلف ممالک میں گھومتا رہتا ہے۔ میں کاروباری معاملات کے لیے مختلف بک سنٹرز یا مکتبات میں جاتا رہتا ہوں۔ وہاں میرا زیادہ تر کام نادر کتب کی تلاش ہوتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ نئی کون سی کتاب آئی ہے۔دارالسلام (قاہرہ) کے ساتھ میرا تعلق بڑا پرانا ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں اداروں کے ناموں میں مکمل مماثلت پائی جاتی ہے مگر دارالسلام (قاہرہ) کی تاریخ قدرے پرانی ہے۔اس کے مالک محترم عبدالقادر محمود بکار میرے ذاتی دوست ہیں۔کم وبیش دس سال سے قائم یہ دوستی وقت کے ساتھ ساتھ گہری ہوگئی ہے۔اس مدت میں کتنی ہی بار ان سے ملاقات رہی۔ ''قاہرہ بک فیئر'' بلاشبہ مڈل ایسٹ کا سب سے بڑا کتاب میلہ ہوتا ہے۔ ہر سال جنوری کے آخر میں 14 دن کے لیے منعقد ہونے والا یہ بک سنٹر اتنے بڑے ایریا میں لگتا ہے کہ آدمی چلتے چلتے تھک جاتا ہے۔ کتابوں کی دنیا سے تعلق رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ مصری قوم بڑی کثرت سے کتابیں پڑھنے والی ہے۔سرکاری اعداد وشمار کے مطابق اندازاً پانچ چھ لاکھ افراد اس کتاب میلے میں شرکت کے لیے روزانہ آتے ہیں۔ گویا 14 دنوں میں 70 سے 75 لاکھ تک شائقین اس میلے کو دیکھتے ہیں۔

دارالسلام (قاہرہ) بھی اس کتاب میلے میں شرکت کرتا ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر سال اس موقع پر نئی نئی کتب پیش کی جائیں۔اس میلے میں دارالسلام کے تین سے چار بوتھ ہوتے ہیں جن میں سیلز مینوں کی تعداد سو سے زیادہ ہوتی ہے۔اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کتاب میلہ

کتنا بڑا ہے۔ لوگ مہینوں اس میلے کا انتظار کرتے ہیں اور بلاشبہ سیکڑوں کی تعداد میں دنیا بھر کے ناشرین ہزاروں نئی کتابیں پیش کرتے ہیں۔ میں نے جرمنی میں فرینکفرٹ کتاب میلے کے بعد قاہرہ کا کتاب میلہ سب سے بڑا دیکھا ہے۔ استاذ عبدالقادر بکار ایک مدت سے کتابوں کے کاروبار سے منسلک ہیں۔ یہ اصل میں شام کے مشہور شہر حلب کے رہنے والے ہیں جو دمشق کے بعد شام کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ اس نسبت سے وہ حلبی ہیں۔ حلب کے علماء خاصے مشہور ہیں۔ خوبصورت، گورے چٹے رنگ کے عبدالقادر ہر چند 58 سال کے لگ بھگ ہوں گے مگر اپنی عمر سے کہیں کم دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے 1973ء میں نشر واشاعت کا آغاز حلب میں شروع کیا۔ ان کے سامنے اسلامی کتب کی نشر واشاعت اور اسلامی عقیدے کا دفاع مقصود تھا۔ 1980ء میں سوریا (شام) میں دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے جینا دوبھر کر دیا گیا۔ تب ہزاروں کی تعداد میں لوگ اپنا دین' مذہب اور عقیدہ بچا کر مختلف ممالک کو ہجرت کر گئے۔

بلاشبہ یہ دور نہایت مشکل تھا۔ استاذ عبدالقادر بھی وہاں سے اپنا دین اور عقیدہ بچا کر قاہرہ چلے آئے اور اس شہر نے ان کے لیے اپنے بازو وا کر دیے۔ یہاں اپنی ٹوٹی پھوٹی تجارت کو انھوں نے نئے سرے سے شروع کیا اور انتھک محنت اور خداداد صلاحیتوں کی بنا پر چند برسوں میں ان کا شمار مصر کے ممتاز ناشرین میں ہونے لگا۔ پہلے مرحلے میں حلب میں شائع شدہ کتب کو دوبارہ شائع کیا گیا۔ قاہرہ کی زمین علمی لحاظ سے بڑی زرخیز ہے۔ یہاں آپ کو بے شمار عالم ملیں گے۔ جامعہ ازہر کا شمار بلاشبہ دنیا کی بڑی اور قدیم ترین جامعات میں ہوتا ہے۔ یہاں ایک لاکھ سے زیادہ طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ بدقسمتی سے وہاں کے حالات اور ظروف ایسے ہیں کہ بیشتر علماء کے چہرے سنت نبوی سے مزین نہیں ہیں۔ نجی مجالس میں یہ لطیفہ مشہور ہے کہ مصر کے علماء کو تین چیزیں معاف ہیں: ڈاڑھی' سگریٹ اور ام کلثوم۔

اب الحمدللہ یہاں کتاب وسنت کی دعوت کے نتیجے میں بڑا انقلاب آ چکا ہے۔ مذکورہ قباحتیں اب کم ہو گئی ہیں۔ مشہور مغنیہ ام کلثوم کا سحر ٹوٹ چکا ہے۔ پبلک مقامات پر سگریٹ پینا عیب سمجھا جاتا ہے۔ اور علماء نے اب پوری ڈاڑھیاں رکھ لی ہیں۔ دراصل جن حالات سے مصر کے عوام گزر رہے ہیں، واقف حال لوگ خوب سمجھتے ہیں کہ ان کی مجبوریاں کیا تھیں۔ بہر حال آج کل بلکہ کئی برسوں سے یہاں امن وسکون ہے۔ ہم دارالسلام (قاہرہ) کی بات کر رہے تھے کہ چند برسوں کے بعد اس ادارے نے بڑی بڑی کتابیں شائع کرنا شروع کر دیں جن میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کے رسائل شامل تھے۔ 2004ء میں اطلس القاہرہ بڑی شان وشوکت سے شائع ہوئی۔ فاضل مؤلف نے اس کے ساتھ ساتھ أطلس الفتوحات الإ سلامیه کی تیاری بھی شروع کر دی تھی۔

اس کام پر کم وبیش 6 سال لگ گئے۔ جو حضرات اس کام کی باریکیوں سے آگاہ ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ کتنا مشکل اور صبر آزما کام ہے۔ بہر حال 2005ء میں یہ خوبصورت کتاب شائع ہو کر قاہرہ کتاب میلے میں پیش کر دی گئی اور پھر جلد ہی میری نظر اس اٹلس پر پڑ گئی جبکہ میری حالت تو یہ ہے کہ میں خود کتابوں کا دیوانہ ہوں۔ خوبصورت کتابیں میری کمزوری ہیں۔ میری زندگی کا ایک اصول ہے کہ اگر میں کسی بھی بک سٹور میں داخل ہو جاؤں تو لازماً وہاں سے کوئی نہ کوئی کتاب خرید کر نکلتا ہوں۔ میرے لیے ممکن ہی نہیں کہ میں اپنے نفس پر قابو پاؤں اور کتاب نہ خریدوں۔ کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ مجھے چین میں بک سٹورز میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کتب چینی زبان میں بکتی ہیں جن کا ایک لفظ بھی مجھے نہیں آتا مگر میری حالت یہ ہوتی ہے کہ چلیے اس کتاب کا خوبصورت لے آؤٹ ہے۔ اس کا کاغذ بڑا اچھا ہے۔ اس کی پرنٹنگ اور اس کی بائنڈنگ بڑی عمدہ ہے۔ چلیے اپنے آرٹسٹوں کو دکھائیں گے۔ اور پھر میں لازماً کتب خرید لیتا ہوں۔ سفر سے واپسی پر میرے سامان میں سب سے زیادہ کتب ہوتی ہیں۔ اطلس الفتوحات الاسلامیہ

کو دیکھا تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میں نے رات ہی اس کتاب کو شروع سے آخر تک دیکھ ڈالا۔ نقشے دیکھتا چلا گیا۔ دراصل مجھے تاریخ سے محبت ہی نہیں عرف عام میں عشق ہے۔ میں تصور میں اپنے ان مجاہدین کو دیکھتا ہوں جنھوں نے اسلام کے پرچم کو سر بلند رکھا اور چہار سو فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑے۔ میں مئی 1986ء میں پہلی مرتبہ ترکی اور شام گیا تھا۔ دمشق سے حلب اور حماہ کا راستہ طے کرتے ہوئے چشم تصور میں اسلامی لشکر کو مسلسل آگے بڑھتے دیکھ رہا تھا۔ میں تو ان راہوں کی تلاش میں تھا جہاں سے مجاہدین گزرے اور لوگوں کو امن و سلامتی کا پیغام دیتے ہوئے مسلسل آگے بڑھتے چلے گئے۔

محترم قارئین! میں افسانہ نہیں لکھ رہا ہوں۔ یہ میرے دل کی آواز ہے۔ میری اسلامی تاریخ بڑی خوبصورت ہے۔ میرے اسلاف نے دین محمدی کو پھیلانے کے لیے بے شمار قربانیاں دیں۔ انھوں نے اپنا آرام اور سکون تج کر طاغوت کو ملیامیٹ کر دیا۔ میں یہ دعویٰ نہیں کروں گا کہ میری اس دن سے خواہش تھی کہ میں فتوحات اسلامیہ پر اٹلس شائع کروں گا مگر یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس رات سونے کے لیے بستر پر لیٹا تو میں اس بات کا تہیہ کر چکا تھا کہ اردو جاننے والوں کے لیے اس کتاب کو اردو میں شائع کرنا میرے اوپر قرض ہے۔ میں اپنی نوجوان نسل کو اپنے اسلاف کی قربانیوں سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں اور پھر میں نے اپنی خواہش کا اظہار اپنے بھائی اور عزیز عبدالقادر بکار سے کیا اور ان کے صدر دفتر میں بیٹھ کر بڑے لمبے مذاکرات کیے۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ ترجمے کا کام کوئی آسان نہیں ہے۔ بڑا محنت طلب اور صبر آزما کام ہوتا ہے۔ حقوق کے سلسلے میں میرے مطالبات بڑھتے چلے گئے۔ ادھر میرا اصرار تھا، ادھر ناشرین کی سرد مہری تھی۔ میرے دلائل ناکافی مگر قوی تھے۔ میں نے خطیر رقم کی پیشکش کر دی تاکہ وہ انکار نہ کر سکیں۔ بالآخر طویل گفتگو کے بعد ایک معاہدہ طے پا گیا۔

دارالسلام (الریاض۔ لاہور) کے سامنے کچھ مقاصد ہیں، کچھ عزائم ہیں جن کی تکمیل کے لیے وہ دن رات کام کر رہا ہے۔ اور وہ یہ ہیں کہ ہم اپنی نسلوں کو کتاب و سنت پر مبنی لٹریچر فراہم کرنا چاہتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ اسلاف کے کیا کارنامے ہیں۔ میں ہر روز ایک دعا مانگتا ہوں کہ اے اللہ! مجھے اچھی ٹیم عطا فرما۔ اچھے، مخلص ساتھی عطا فرما۔ میرے رب نے میری اکثر دعائیں قبول فرمائی ہیں۔ اور آج الحمد للہ پوری دنیا میں کم و بیش 250 سے زائد افراد ہماری ٹیم میں شامل ہیں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ میرے شخصی تعلقات مختلف مکاتب فکر کے لوگوں سے ہیں۔ میں ان کا احترام کرتا ہوں۔ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ دارالسلام قاہرہ کے مدیر اور مالک جناب عبدالقادر بکار انھی لوگوں میں سے ہیں جن کے ساتھ میرے کاروباری ہی نہیں بلکہ ذاتی اور شخصی تعلقات ہیں۔ میں ان کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔ ہم نے ایک معاہدے کے تحت اس کام کا آغاز کیا۔ علوم تاریخ و جغرافیہ اور لسانیات کے شناور اور دارالسلام ریسرچ سنٹر (لاہور) کے شعبہ سیرت و تاریخ کے انچارج جناب محسن فارانی نے اس کا ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ عربی نقشوں کو بھی اردو میں ڈھالا ہے۔ عربی کتاب کے متن اور نقشوں کی غلطیوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ انھوں نے مقامات و اعلام اور بعض واقعات کے حوالے سے توضیحی حواشی بھی رقم کیے ہیں جن سے اٹلس کی افادیت دوچند ہو گئی ہے۔

اس کام کو ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ میرا محسن فارانی صاحب سے اس دوران میں مسلسل رابطہ رہا ہے۔ میں اس سلسلے میں جو مشورے دے سکتا تھا اپنے تجربات کی روشنی میں عرض کرتا رہا۔ ناشر کی خواہش ہوتی ہے کہ کتاب جلد از جلد مارکیٹ میں آئے۔ محققین کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ وہ جب تک پوری تحقیق نہ کر لیں اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے۔ بہر حال یہ ایک عظیم کام تھا جو اللہ کی توفیق سے مکمل ہو گیا ہے۔ اپنی کوشش

میں ہم کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں، اس کا فیصلہ تو قارئین کریں گے۔ بہر حال بشری کمزوریوں کا اعتراف ضروری ہے۔ دارالسلام کے کسی کام میں بھی اگر کوئی خوبی ہے تو یہ محض میرے رب کا فضل وکرم ہے۔ اور اگر کمزوری اور خامی ہے تو اس کی ذمہ دار انتظامیہ ہے۔ تاہم قارئین کی تجاویز اور مشوروں کا ہمیشہ سے احترام کیا جاتا ہے۔ کوئی بھی مشورہ یا عمدہ تجویز میرے علم میں آجائے میں اسے کم ہی بھولتا ہوں اور امکانی حد تک اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس لیے قارئین سے درخواست ہے کہ ہمیں اپنے مشوروں اور تجاویز سے ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان اغلاط کی درستی اور عمدہ تجاویز پر عمل کیا جاسکے۔

جناب محسن فارانی نے اطلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) کے نقشوں میں پائی جانے والی متن اور پروف کی اغلاط کی تصحیح بھی کی ہے، مثلاً ان کی تحقیق کے مطابق:

① ایشیائی ترکی کا ایک شہر چناق قلعہ (Canakkale) ہے جسے عربی اطلس کے مختلف نقشوں میں دو مختلف طریقوں سے "جناق قلعہ" اور "شانکالا" لکھا گیا ہے مگر کتاب کے متن میں ''جنا قلعہ'' چھپا ہے جبکہ اول الذکر درست ہے۔

② اناطولیہ کی ایک ترک ریاست ''گرمیان'' تھی جس کا نام عربی اطلس کے نقشوں میں کرمیان، جرمان، قرمان اور جرمیان، یعنی چار مختلف طریقوں سے درج ہے جبکہ اول الذکر صحیح ہے۔ اسی طرح ''گرمیان'' کے مشرق میں واقع ترک ریاست ''قرہ مان'' یا ''قرامان'' تھی جس کا دارالحکومت قونیہ تھا مگر اس ریاست کا نام مختلف نقشوں میں تین طرح سے قرہ مان، قرمان اور کرمان چھپا ہے جبکہ اول الذکر درست ہے۔ (کرمان دراصل ایران میں ہے۔)

③ اناطولیہ کی ایک اور ترک ریاست ''ذوالقدر'' کا نام عربی اطلس کے بعض نقشوں میں غلط طور پر ''ذوالقادر'' اور ''ذوالفقار'' چھپا ہے۔

④ مغربی ایران کے ایک علاقہ ''لورستان'' کو عربی اطلس کے نقشوں میں ایک جگہ ''لارستان'' اور دوسری جگہ ''بلاد اللور (کورستان)'' لکھا گیا ہے جبکہ لارستان جنوب مغربی ایران کے ایک علاقے کا نام ہے جس کا صدر مقام شہر ''لار'' ہے، اور ''لرستان'' یا ''لورستان'' شہر ''لُر'' یا ''لُور'' سے منسوب ہے۔

⑤ اطلس (عربی) میں بلغاریہ کے شہر روسچق کو زیادہ تر نقشوں میں ''روسچق'' اور ایک جگہ ''روسشک''، مشہور میدان جنگ نکوپولس کو ایک نقشے میں نیکو بولیس جبکہ دیگر نقشوں میں ''نیبولی''، ترکی کی جنوبی بندرگاہ علائیہ (موجودہ علانیہ) کو علاثیہ، شمالی ترکی کے شہر ''اسکلپ'' کو ''سکیب'' اور ''اسکیب'' اور رومانیہ کے دارالحکومت بخارسٹ (Bucharest) کو ایک نقشے میں ''بوخارست'' اور دیگر نقشوں میں ''بکرش'' درج کیا گیا ہے۔

⑥ عربی اطلس کے نقشوں میں یونان کے شہر تریک قلعہ (Trikkala) کو دو طرح سے طیرھال اور تـرھالا لکھا گیا ہے جبکہ شمالی یونان کا شہر کستوریہ (Kastoria) بگڑ کر ''کسریہ'' بن گیا ہے۔ یونانی شہر کفالا (Kavalla) کو کہیں ''قولہ'' اور کہیں ''کافیا'' لکھا ہے۔ بلغاریہ کے شہر قستندیل (Kystendil) کو ایک نقشے میں قسطویل اور دوسرے میں قسقندیل درج کیا ہے۔ سربیا کا شہر ''نیش'' دوسرے نقشے میں ''نیشی'' بنا دیا گیا ہے۔ اناطولیہ کا شہر اَبلستان (Arabissus) یا اَلبستان بعض نقشوں میں قیصریہ (قیصری) کے مشرق میں درج ہے مگر اسے ایک نقشے میں ''عرب صون'' کے نام سے قیصریہ کے مغرب میں دکھایا گیا ہے۔

⑦ عربی اطلس کے نقشہ 50 میں عراق کے شہر ''دستجرد'' اور ''دسکرہ'' کو دو الگ الگ شہر دکھایا گیا ہے جبکہ یہ ایک ہی شہر ہے اور اس کا موجودہ نام دسکرہ ہے۔ اسی طرح عراقی شہر جلولاء اور قزل رُباط بھی دو شہروں کے طور پر دکھائے گئے ہیں جبکہ جلولاء ہی کا موجودہ نام قزل رُباط ہے۔ قزل رُباط پروف کی غلطی سے ''قزلوباط'' بن گیا ہے۔

⑧ اطلس (عربی) میں کریٹ کے کچھ حصے کی فتح ''ایام ولید'' میں بتائی گئی ہے۔ درحقیقت جنادہ کے ہاتھوں یہ فتح عہدِ یزید بن معاویہ (60ھ تا 64ھ) میں ہوئی تھی اور جنادہ 80ھ میں وفات پا گئے جبکہ ولید اول بن عبدالملک اور ولید ثانی بن یزید ثانی دونوں بعد میں برسرِ اقتدار آئے۔

⑨ عربی نسخے میں ''فتوح آرمینیا'' کے ضمن میں اَرزن اور قالیقلا (ارزن الروم) کو ایک شہر ''قالیقلا (ارزن)'' گردانتے ہوئے ان کی فتوحات کو گڈمڈ کر دیا گیا ہے، حالانکہ ''ارزن'' (فتح 639ء) اور قالیقلا (فتح 46-645ء) دو الگ الگ شہر ہیں اور قالیقلا (ارزن الروم) اب ارضِ روم کے نام سے مشہور ہے۔

⑩ اطلس (عربی) میں اندلس کے اموی حکمران عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن الاوسط (متوفی 300ھ) کا نام عبداللہ بن موسیٰ بن نُصیر دیا گیا ہے جو درست نہیں۔

⑪ عربی اطلس میں آذربائیجان کے شہر واسپراکان (Vaspurakan) کو تین طرح سے معرب کر کے پہلے ''بسفرجان (واسبراکان)'' اور پھر ''فاسبورکان'' لکھا گیا ہے، حالانکہ یہ دو الگ الگ شہر نہیں بلکہ ایک ہی شہر ہے جو کہ واسپراکان ہے۔

یوں اماکن واعلام کے ناموں کے تناقضات دُور کرنا اور درست ناموں کے اردو مترادفات ڈھونڈنا اور نقشوں میں مقامات کا ٹھیک ٹھیک تعین کارے دارد تھا۔ تاریخوں اور سنین کی غلطیاں اس پر مستزاد تھیں۔ یہ کام اس لیے بھی تحقیق طلب تھا کہ اطلس فتوحات اسلامیہ (اردو) کو بعد میں انگریزی میں بھی منتقل کرنا تھا۔ بہر حال محسن فارانی صاحب اور اُن کے ساتھی بڑی عرق ریزی سے اس مشکل کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب رہے ہیں اور انھوں نے متن کے ساتھ قدیم وجدید تاریخ وجغرافیہ پر مبنی جو تحقیقی وتوضیحی حواشی لکھے ہیں وہ انتہائی مفید ہیں۔ مختصر حواشی زرد رنگ میں دیے گئے ہیں اور طویل حواشی کا رنگ نیلا رکھا گیا ہے۔

''شخصیات ومشاہیر'' میں انھوں نے عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ، طارق بن زیاد رحمہ اللہ اور محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے احوال بھی شامل کیے ہیں اور بنوعدنان اور بنو قحطان کے شجرے مکمل اور درست کیے ہیں۔

علاوہ ازیں انھوں نے اُنیس اضافی نقشے بھی شاملِ اطلس کیے ہیں جن سے فتوحات اسلامیہ کے متعلقہ ممالک کی موجودہ سرحدیں واضح ہوتی ہیں اور مختلف شہروں اور مقامات کے بارے میں اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اب کس کس ملک میں واقع ہیں۔ فتح قسطنطنیہ کے حوالے سے دو اضافی نقشے بھی دیے ہیں۔ یوں انھوں نے شہروں، دریاؤں، جھیلوں اور دیار وامصار کے قدیم اور جدید نام اور مفید معلومات شامل کر کے اطلس کو ایک جامع انسائیکلوپیڈیا بنا دیا ہے۔

یہاں میں ضروری سمجھتا ہوں کہ جس ٹیم نے اس کام میں حصہ لیا ہے ان کا بھی ذکر ہو جائے۔ اردو اطلس کی تیاری اور پروف خوانی میں فارانی صاحب کو حافظ قمر حسن، حافظ اقبال صدیق اور مولانا محمد عمران اقبال کا تعاون بھی حاصل رہا، بالخصوص حافظ قمر حسن نے عربی اطلس کے آخری حصے ''یومیات وحولیات'' کا شستہ اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ مشرف علی نے فارانی صاحب کی نگرانی میں کمپیوٹر پر اردو نقشے بڑی محنت سے ڈیزائن کیے،

افضال احمد نے کمپوزنگ کی ذمہ داری نبھائی۔ آرٹ ڈائریکٹر جناب زاہد سلیم چودھری اور اُن کی ٹیم کے ارکان حافظ کاشف ظہیر، محمد ندیم کامران، محمد نعیم اور عطاء الرحمٰن ثاقب نے باتصویر ڈیزائننگ سے کتاب کے حسن میں قابلِ قدر اضافہ کیا، بالخصوص زاہد سلیم صاحب نے اسلامی تاریخ کی نادر مساجد اور دیگر عمارات کی تصاویر کا انتخاب بڑی تندہی سے کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر سے نوازے۔ اور حافظ عبدالعظیم اسد سلمہ مدیر دارالسلام لاہور کا میں بجا طور پر شکرگزار ہوں جن کی نگرانی میں اطلس فتوحات اسلامیہ (اردو) کا عظیم الشان کام پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔ یہ مقام شکر ہے کہ اس کتاب کے انگلش ترجمے پر کام جاری ہے اور وہ جلد ہی ان شاء اللہ مارکیٹ میں دستیاب ہوگا۔ اپنے مناسب وقت پر اس عظیم کام کو دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی منتقل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

قارئین سے گزارش ہے کہ ہماری یہ کاوشیں پسند خاطر ہوں تو رب رحیم وکریم سے ہمارے حق میں قبولیت اور مغفرت کی دعا فرمائیں۔

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر دارالسلام، الریاض، لاہور

رمضان 1428ھ / ستمبر 2007ء

تقدیم

اللہ کے رسول ﷺ نے بعثت کے بعد کی تیئیس سالہ زندگی میں سے تیرہ سال مکہ اور گردونواح کے لوگوں کو دعوت دینے میں گزارے۔ آپ کی دعوت کا خلاصہ یہ تھا کہ لوگوں کے گھڑے ہوئے ان گنت جھوٹے خداؤں کے بجائے اس کائنات کے حقیقی مالک اللہ ذوالجلال والاکرام کی عبادت کرو۔ انسانوں سے شفقت و محبت کا سلوک کرو، ہر انسان کی عزت، جان اور مال کو قابلِ احترام سمجھو، اپنے رشتوں کو خوبصورتی سے نبھاؤ، بڑوں کی عزت اور چھوٹوں سے محبت کا سلیقہ اپناؤ، کمزوروں اور ضرورت مندوں کے مددگار بنو، رذائلِ اخلاق، مثلاً: جھوٹ، فریب، غیبت اور چغل خوری سے دور رہو، گندی اور غلیظ چیزوں سے احتراز کرو۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس خوبصورت اور بے ضرر دعوت پر اکثر اہلِ مکہ آپ کے شدید دشمن ہو گئے اور اس دشمنی میں حد سے گزر گئے۔ اُنھوں نے آپ پر اور آپ کے بے ضرر اور کم زور ساتھیوں پر ایسے ظلم ڈھائے کہ انھیں گھر چھوڑ کر بے وطن ہونا پڑا۔

ان تیرہ سالوں میں آپ ﷺ نے یک طرفہ طور پر ہر طرح کے ستم اٹھائے اور جواب میں ہر ایک سے شفقت اور خیر خواہی کا سلوک کیا، گالیاں کھائیں اور جواب میں دعائیں دیں، ظلم سہے اور احسان کیے، پھر بھی دشمنوں کی طرف سے کینہ اس قدر بڑھا کہ سازش کر کے قتل کے درپے ہوئے، آپ رات کو ان کے گھیرے سے نکلے اور وطن چھوڑ کر مدینے میں پناہ لی۔

قریش کی آتشِ عداوت پھر بھی ٹھنڈی نہ پڑی اور وہ مدینہ میں بھی آپ ﷺ کے درپئے آزار ہو گئے اور آپ کے خلاف وہاں کے یہودیوں اور منافقوں کے ساتھ مل کر سازشیں کرنے لگے۔ اس وقت جب کوئی اور چارہ نہ رہا تو اللہ کی طرف سے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اذنِ جہاد ملا:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ○ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ ﴾

’’جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے انھیں (جہاد کی) اجازت دی گئی ہے، اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا، اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر ضرور قادر ہے۔ وہ لوگ جنھیں ان کے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا، صرف اس لیے کہ وہ کہتے ہیں: ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو بلاشبہ خانقاہیں اور گرجے اور (یہودی) عبادت خانے اور مسجدیں ڈھادی جاتیں جن میں اللہ کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا، بے شک اللہ بہت قوت والا، خوب غالب ہے۔ (یہ) وہ لوگ

(ہیں) کہ جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں، اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور تمام امور کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ [1]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اذنِ جہاد کا پس منظر بتایا، دنیا میں نیکی اور اچھائی کی بقا کے لیے اس کی ضرورت کو واضح کیا اور انسانیت کے لیے اس کے خوبصورت ثمرات کی خبر دی۔

اسلامی جہاد، جس طرح ان آیات میں بتایا گیا، ظلم وستم اور جارحیت کو روکنے کے لیے تھا، کسی جارحیت کے لیے نہ تھا۔ مدینہ کو دشمنوں کے ظلم سے بچانے کے لیے مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے دستوں نے مدینہ کی حدود کی حفاظت کا سلسلہ شروع کیا، ان سرایا کا بنیادی مقصد حدودِ مدینہ کی حفاظت کے لیے سکاؤٹنگ کرنا تھا۔ پھر جب یہ بات واضح ہوئی کہ اہلِ مکہ نے اپنے مالی وسائل یکجا کر کے اس غرض سے انھیں تجارت میں لگایا ہے کہ اس کی آمدنی سے مسلمانوں کے خاتمے کے لیے ہتھیار مہیا کریں تو اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ کفار کی خود مدینہ کی حدود کے اندر سے گزر کر جارحیت کی مالی تیاری کے اس سلسلے کو روکا جائے۔ مسلمانوں کی طرف سے اپنے دفاع کے اس حق کو استعمال کرنے کی کوشش، جو کامیاب بھی نہ ہو سکی تھی، اہل مکہ کی طرف سے ایک بڑے اور منظم حملے کا پیش خیمہ بن گئی۔

بدر میں مسلمانوں کی ایسی جمعیت کو، جو جنگ کے لیے مسلح تھی نہ تیار، ایک تین گنا بڑی منظم اور مسلح فوج کے جارحانہ حملے کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ ستم اٹھانے والے بے سروسامان مسلمانوں کی اس چھوٹی سی جمعیت کی طرف سے جان نثاری کے قرینے پر مبنی جو مدافعت سامنے آئی اور اللہ نے اس پر انھیں جیسی نصرت سے نوازا، اس سے آیندہ کی جدوجہد کا اسلوب متعین ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں قیدی بننے والے قریشیوں کو مہمانوں کی طرح رکھا اور اس وقت کے دستور کے مطابق ان کو قتل کرنے کے بجائے انتہائی معمولی فدیے پر اور بعض نادار قیدیوں کو فدیے کے بغیر ہی آزاد کر دیا جبکہ مشرکین نے اس کے بعد بھی مسلمانوں کو دھوکے سے پکڑ پکڑ کر اہل مکہ کے ہاتھ فروخت کیا جنھوں نے میدانِ جنگ میں اپنے قتل ہونے والے عزیزوں کے بدلے ان مسلمانوں کو قتل کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انتہائی نرمی کے باوجود قریش مکہ کی یک طرفہ دشمنی کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے آپ کی ہر کوشش ناکام ہوئی اور اگلے سال مکی فوج پھر سے مدینہ پر حملہ آور ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی شوریٰ کے فیصلے کی پابندی کرتے ہوئے مدینہ سے باہر نکل کر احد میں حملہ آوروں کو روکنے کی کوشش کی۔ اس بار مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا لیکن آپ مدینہ کے دفاع میں کامیاب رہے۔

قریش کو اب یقین ہو گیا کہ وہ مکہ اور اردگرد کے قبائل کی پوری طاقت استعمال کر کے بھی مدینہ پر غالب نہیں آ سکتے، اس لیے انھوں نے عرب کے بڑے بڑے جنگجو قبائل کا اتحاد قائم کر کے شوال 5 ہجری میں پھر مدینہ پر حملہ کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے دفاع کے لیے ایسی حکمت عملی اپنائی کہ فریقین کا جانی نقصان نہ ہو۔ مسلمانوں نے قحط اور انتہائی ناسازگار حالت میں جان لیوا مشقت سے کام لے کر مدینہ کے اردگرد خندق کھودی تاکہ حملہ آور مدینہ میں داخل نہ ہو سکیں۔ قریش مکہ اور خود مدینہ کے دفاع کے معاہدے میں شرکت کرنے والے یہودیوں نے مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ مسلمانوں نے مہینہ بھر بھوک کی شدت برداشت کی لیکن آخر کار فریقین میں خونریزی روکنے کی حکمت عملی کامیاب رہی جو رسول اللہ ﷺ نے اختیار فرمائی تھی۔

قریش اپنے اتحادیوں سمیت ناکام ہو گئے تو مدینہ کے دفاع کا تقاضا یہ تھا کہ آگے بڑھ کر قریش کی قوت توڑ دی جائے۔ لیکن اس کے برعکس

---

[1] الحج 22:39-41۔

رسول اللہ ﷺ نے خود آگے بڑھ کر قریش کو پر امن بقائے باہمی کا اصول قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جمعیت جو بہ آسانی مکہ فتح کر سکتی تھی، ہتھیار مدینے میں چھوڑ کر عمرے کے لیے مکہ روانہ ہوئی۔ مقصد یہ تھا کہ عرب کے مسلمہ دستور کے مطابق حرم میں ایک دوسرے کی جانوں کا احترام کریں اور مسلمان عمرہ ادا کر کے تین دن کے اندر واپس آ جائیں تا کہ مشرکین کی یک طرفہ دشمنی اور اس کے تحت مدینہ پر حملوں کے بجائے پر امن بقائے باہمی کا سلسلہ شروع ہو۔

آپ نے یہ اہتمام فرمایا کہ سیدھے مکہ میں داخل ہونے کے بجائے قریش کے ساتھ پیغام رسانی کی تا کہ وہ جلد بازی کی بنا پر کوئی حماقت نہ کریں۔ قریش نے ناروا ضد سے کام لے کر مسلمانوں کو روکا۔ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ عازمین عمرہ اور قربانی کے جو جانور بیت اللہ کی طرف لائے جا رہے ہوں، چاہے وہ کسی بڑے سے بڑے دشمن کے کیوں نہ ہوں، انھیں واپس کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے انتہائی تحمل سے کام لیا اور ایسے معاہدے پر اکتفا کر لیا جس کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ جس طرح قرآن نے کہا یہ معاہدہ ہی مسلمانوں کے لیے فتح مبین تھا کیونکہ اسلام کا حقیقی مقصد ہی دنیا اور آخرت میں انسانی جان کا تحفظ ہے۔ اس معاہدے سے دنیا میں خونریزی کا ایک سلسلہ رک گیا اور آخرت میں بھی زیادہ سے زیادہ جانوں کے تحفظ کے امکانات میں اضافہ ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس معاہدے کی مکمل پابندی کی۔ قریش نے اپنی جہالت اور حماقت کی بنا پر اس معاہدے کو یک طرفہ طور پر توڑ دیا اور ان کی شہ پر آپ ﷺ کے حلیف قبیلہ بنوخزاعہ کو، جن کی بڑی تعداد مسلمان ہو چکی تھی، عین حرم کے اندر رکوع و سجود کے عالم میں قتل کیا گیا۔ اس پر بھی رسول اللہ ﷺ نے قریش کو سزا دینے اور عہد شکنی اور خزاعہ کا بدلہ لینے کے بجائے خونریزی سے اجتناب اور انسانی جانوں کی، چاہے دشمنوں کی ہوں، سلامتی کے حوالے سے وہ اقدام کیا جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ آپ انتہائی رازداری سے مکہ کی طرف بڑھے اور قریش کے سر پر پہنچ کر ان کے سردار ابوسفیان کو بلوا کر مسلمانوں کی عظیم الشان فوج کا نظارہ کرایا جس کے مقابلے کی قریش میں طاقت تھی نہ وہ ایسا سوچ سکتے تھے۔ پھر ان پر کوئی شرط ٹھونسنے کے بجائے ان لوگوں کو پناہ دینے کا اعلان فرما دیا جو حرم یا کسی چار دیواری کے اندر رہیں اور باہر آ کر کسی طرح شرارت نہ کریں۔ فتح مکہ دنیا اور آخرت میں انسانی جان کے تحفظ کے اسلامی مشن کی بہت بڑی فتح تھی۔

اس سے پہلے غزوۂ خیبر کے موقع پر جہاں یہودیوں کے آٹھ قلعوں کا ایک سلسلہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے مختلف قلعوں پر لشکر کشی کے لیے فوج کی قیادت کی ذمہ داری مختلف صحابہ کرام کے سپرد فرمائی۔ [1] اس طرح آیندہ کے لیے تربیت کا اہتمام ہو گیا۔ قلعہ ناعم کی مہم کی قیادت آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔ حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں سے جھنڈا وصول کرنے کے بعد سوال کیا: یا رسول اللہ! کیا میں ان سے جنگ کرتا رہوں حتی کہ وہ ہم جیسے (مسلمان) ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا: سیدھے جاؤ، ان کے سامنے کے میدان میں پہنچو، پھر انھیں اسلام کی دعوت دو...... اللہ کی قسم! تمھارے ذریعے اللہ کسی ایک انسان کو ہدایت بخش دے تو یہ تمہارے لیے اعلیٰ درجے کے سرخ اونٹوں (اس زمانے میں عربوں کی نظر میں دنیا کا قیمتی ترین مال) سے بہتر ہے۔ [2] سازشوں اور مالی مدد کے ذریعے مشرکین کو مسلمانوں پر حملوں کے لیے اکسانے والے یہودیوں کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کا مشن یہی تھا کہ وہ دنیا اور آخرت میں بچ جائیں۔

---

[1] الرحیق المختوم عربی: 371,368 و بعد.

[2] صحیح البخاري، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر.

7ھ میں سفیرِ نبوت حارث بن عُمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو غسانی حکمران نے شہید کر دیا تھا جس پر تادیبی کارروائی کے طور پر غزوۂ مؤتہ کی نوبت آئی۔

دو سال بعد آپ ﷺ کو رومیوں کی طرف سے حملے کی تیاری کی خبر سن کر غزوۂ تبوک کے لیے جانا پڑا۔ آپ نے ان کی حدود سے باہر، عرب کے اندر ان کا انتظار کیا، حملے کا آغاز نہ فرمایا۔ جب رومی عرب کے صحرا میں آ کر مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ نہ ہوئے تو آپ نے خود حملہ آور ہونے کے بجائے واپسی کا فیصلہ کیا۔

نبی ﷺ نے اپنے آخری ایام میں رومیوں کے خلاف اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی قیادت میں ایک لشکر تیار کیا جس نے عہدِ صدیقی میں اردن کے علاقے پر یلغار کی اور وہ لوگ کیفرِ کردار کو پہنچائے جنھوں نے غزوۂ مؤتہ میں اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سمیت تین مسلم سالاروں اور دیگر مجاہدین کو شہید کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد ان خطرات میں مزید اضافہ اس طرح ہوا کہ روم اور ایران کی سرحدوں کے قریب رہنے والوں نے بغاوت اور ارتداد کا راستہ اختیار کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سالاروں کو سب سے پہلے ان سے نپٹنا پڑا اور بعد میں وہ بیرونی دشمنوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

وہ ساری جنگیں جو اسلامی فتوحات پر منتج ہوئیں انھیں جنگوں کا تسلسل تھیں جو ابتدائی عہد میں مسلمانوں پر مسلط کی گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کے مغازی کا حال ان میں شریک ہونے والے صحابہ کی اپنی روایات سے محفوظ ہو کر آیندہ نسلوں تک منتقل ہوا۔ بہت سے شرکاء نے اپنے اپنے مشاہدات اپنے شاگردوں کے سامنے بیان کیے اور اس طرح ان جنگوں کی تفصیلات یکجا ہوئیں۔ یہ کسی ایک سرکاری وقائع نویس کی جمع کردہ تفصیلات نہیں جن سے وہ اپنی مرضی کا نقشہ مرتب کر دیتا ہے۔ یہ مختلف شرکاء کی طرف سے اپنی اپنی آپ بیتیوں اور مشاہدات کا آزادانہ بیان ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ قابلِ اعتماد مواد اکٹھا ہونا ممکن ہی نہیں۔

مختلف بیان کرنے والوں نے فرصت کے مختلف مواقع پر مختلف لوگوں کے سامنے جو تفصیلات بیان کیں، وہ نہ صرف ایک دوسرے کی توثیق کرتی ہیں بلکہ واقعات اور ان کے پس منظر کی ایک مربوط تصویر پیش کرتی ہیں جس سے ہر پہلو اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اور پھر یہ اسلام کے قابلِ فخر سلسلۂ اسناد کے ذریعے آگے منتقل ہوتا ہے۔

عہدِ رسالت کے بعد کی فتوحات کا زیادہ تر مواد اسی اسلوب کے مطابق بیان ہو کر جمع ہوا اور مؤرخین نے اس مواد کو بیان کرتے ہوئے وہی کڑے اصول سامنے رکھے جو محدثین کے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں تاریخ کے موضوع پر لکھنے والے مشہور مؤرخ ایچ اے آر گب نے یہ شہادت دی کہ ''چونکہ علم المغازی کا ارتباط علم حدیث سے تھا، اس لیے تاریخ نویسی کے اسلوب تالیف پر اسناد کے استعمال کی وجہ سے بڑا گہرا اثر پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس وقت سے عربوں کی تاریخی معلومات کی اختصاصی صفات میں اور ان معلومات کی تنقیدی صحت میں عظیم الشان تبدیلی پیدا ہو گئی۔ یہاں پہنچ کر پہلی مرتبہ اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہم مسلم تاریخ کے اعتبار سے ٹھوس زمین پر کھڑے ہیں۔''[1]

اس اسلوب کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ بیان کرنے والوں کا جائزہ لے کر غلط کو صحیح سے الگ کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ ایک کمی بھی موجود رہتی ہے کہ مختلف روایات کو یکجا کر کے ایک مفصل اور مکمل تصویر پیش کرنے کا کام کسی نہ کسی مؤلف کا منتظر رہتا ہے۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں عراق، ایران، خراسان، ماوراء النہر، شام اور شمالی افریقہ کی فتوحات کے احوال انھیں قبائل کے راویوں کے ذریعے سامنے آئے جو ان جنگوں میں شریک تھے، مثلاً: مشرقی فتوحات کی تفصیلات قبیلہ ازد اور باہلہ کے راویوں کے ذریعے سے محفوظ ہوئیں۔ ان

[1] اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، مادہ ''تاریخ'' مقالہ سوم از ایچ اے آر گب

روایات کوامام شعبی (م 110 ھ) جیسے لوگوں نے جمع کیا جو بنیادی طور پر محدث تھے اور رواۃ کی جرح وتعدیل میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ ابن سعد، علی ابن مدینی، ان کے بعد بلاذری، ابوحنیفہ الدینوری، ابن قتیبہ، حمزہ الاصفہانی اور المسعودی سب نے محدثین ہی کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے تاریخی روایات جمع کیں۔ فتوحات سمیت تاریخی روایات کے سب سے بڑے جامع طبری، جن پر بعد کے تمام مؤرخین کا انحصار ہے، بھی سب سے پہلے محدث، پھر مفسر اور مؤرخ تھے۔ ان کی کتاب تاریخ الرسل والملوک میں اسلامی دور کی تاریخ، خصوصاً فتوحات کی روایات نقطۂ عروج پر ہیں۔ اس لیے صدیوں بعد جب تنقید وتنقیح کا کام عروج پر تھا، اس زمانے میں زیادہ مرتب اور منقح انداز میں اسلامی تاریخ پیش کرنے والے ''المنتظم'' کے مؤلف امام ابن الجوزی، ''تاریخ الاسلام'' کے مؤلف حافظ ذہبی، ''الکامل'' کے مؤلف ابن الاثیر اور ''البدایہ والنہایہ'' کے مؤلف امام ابن کثیر کا زیادہ انحصار طبری کی کتاب پر ہے۔

محدثین کے اسلوب کی پابندی کرنے والے ان مؤرخوں کے درمیان الیعقوبی اور المسعودی کے نام اس اعتبار سے زیادہ نمایاں ہیں کہ وہ محدثانہ طرز کی عرب تاریخ نویسی کی روایات اپنانے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پائے کے جغرافیہ دان بھی تھے اور یہ جغرافیائی معلومات انھوں نے خود اپنی طویل سیاحت سے حاصل کی تھیں۔ اسی طرح ابواسحاق اصطخری بنیادی طور پر سیاح اور جغرافیہ دان ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب المسالک والممالک میں اس زمانے کے اسلوب کے مطابق نقشے بھی دیے ہیں اور وہیں کی تاریخ کا بھی اختصار سے تذکرہ کیا ہے۔ ان کا ایک نقشہ اٹلس فتوحات اسلامیہ میں شامل ہے (دیکھیے صفحہ 101)

تاریخ اور جغرافیہ کا یہ اتصال تاریخ کو زیادہ واضح اور دلچسپ بنا دیتا ہے، اور جدید دور کی اطلسوں کا پیش رو ہے۔

ابتدائی دور کی اسلامی فتوحات جو پوری فتوحاتِ اسلامیہ کا غالب حصہ ہیں، صحابہ کے اپنے ہاتھوں مکمل ہوئیں۔ ان سب میں مشترک خصوصیت یہی ہے کہ غزوات نبوی کی طرح ان تمام جنگوں میں مسلمانوں کی تعداد مخالفین سے بہت کم رہی۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں انتہائی تجربہ کار اور تربیت یافتہ افواج تھیں جنھیں اسلحے اور دیگر جنگی ساز وسامان کے حوالے سے بہت زیادہ برتری حاصل تھی۔ ایرانی افواج کے پاس ہاتھی تک موجود تھے جو انھوں نے مسلمانوں کے خلاف استعمال کیے بلکہ بعض اوقات ان کے ذریعے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ پھر مسلمانوں کی مشکلات اس وجہ سے اور بھی زیادہ تھیں کہ یہ جنگیں ایران اور روم کے زیرنگین علاقوں میں لڑی گئیں جو میدانوں، ندی نالوں، دریاؤں اور دلدلی علاقوں پر مشتمل تھے۔ مسلمان صحرائی علاقوں کے عادی تھے۔ مخالفوں کے پاس کشتیاں، پل بنانے کا سامان، مضبوط چھاؤنیاں اور قلعے اور ان کا باقاعدہ نظام موجود تھا جبکہ مسلمان ان سب سہولتوں سے عاری تھے۔

اس صورتِ حال میں مسلمانوں کی فتح تاریخ کا انتہائی حیرت انگیز معاملہ ہے۔ آج کے مؤرخوں، خصوصاً مستشرقین نے ان فتوحات کے بہت سے مادی اسباب ڈھونڈنے اور بیان کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً: یہ کہ مسلمان فوج زیادہ ساز وسامان نہ رکھنے کی وجہ سے سریع الحرکت تھی۔ کیا اس سے یہ نتیجہ زیادہ بدیہی طور پر نہیں نکلتا کہ مسلمان خود کو محفوظ رکھتے ہوئے دشمن کو نقصان پہنچانے کے ساز وسامان سے محروم تھے۔ بعض لوگوں نے یہ سبب بھی بیان کیا کہ ساسانی اور رومی افواج زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ سست پڑ چکی تھیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل برسرپیکار رہی تھیں اور انتہائی تیار اور تجربہ کار ہو چکی تھیں۔

بعض لوگوں نے یہ سبب بھی بتایا کہ عربوں کے گھوڑے بہت تیز رفتار اور زیادہ سخت کوش تھے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عرب میں گھوڑے زیادہ تر باہر سے لائے جاتے تھے اور ان کی تعداد بھی کافی نہ تھی۔ مسلمانوں کو جنگوں کے دوران میں بھی خاصا کام اونٹوں سے لینا پڑتا تھا جو گھوڑوں کے

بالمقابل کم رفتار رکھتے تھے۔

ان مؤرخین نے کچھ ایسے اسباب بھی گنوائے ہیں جو کافی حد تک درست ہیں، مثلاً: یہ کہا گیا کہ مسلمان زیادہ انصاف پسند تھے اور انسانوں کا اس طرح استحصال نہ کرتے تھے جس طرح اس وقت کی بڑی سلطنتیں کرتی تھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام دینِ عدل ہے۔ مسلمان کسی کا استحصال کرتے تھے نہ ہونے دیتے تھے۔ ان کے انصاف کا نظام بے داغ تھا لیکن یہ سب عوامل فتوحات کے بعد اسلامی سلطنت کے لیے تو معاون تھے، جنگیں جیتنے میں یہ بنیادی عوامل نہ تھے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہتر نظام عدل کی وجہ سے ایک مسلمان فوجی کسی غیر فطری معاشرتی دباؤ کا شکار نہ ہوتا تھا جبکہ اس کے بالمقابل رومی اور ایرانی فوجی قومی تفاخر کے جذبے سے سرشار ہوتے تھے، بلکہ جب تک انھیں مسلمانوں کے ہاتھوں پے در پے شکستوں کا سامنا نہ ہوا وہ خود کو دنیا کی ایک بڑی طاقت کی بنیادی اکائی سمجھتے ہوئے برتری کے زعم میں مبتلا تھے اور عربوں کو بے حیثیت خیال کرتے تھے۔

ان کے سالار تو جاہلی عربوں کی نظر میں بادشاہوں کی طرح تھے اور وہ مسلمانوں کو کسی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ جنگوں کے ابتدائی مرحلوں میں ان کی خود اعتمادی آسمان کو چھو رہی تھی۔ لیکن ان کے بالمقابل وہی عرب جو جاہلی دور میں ان سے مرعوب تھے، اب ایک بالکل مختلف ذہنی کیفیت کے ساتھ مدمقابل تھے جس میں کسی مرعوبیت کا شائبہ تک نہ تھا۔

مسلمانوں کے اعتقاد کی اساس زندگی کے حوالے سے ان کا نقطۂ نظر تھا، جو محض نقطۂ نظر نہیں، پختہ ایمان تھا کہ دنیا کی زندگی عمل اور جدوجہد کی فرصت ہے جس کا ثمر موت کے بعد حاصل ہوگا۔ اس دنیا کی جدوجہد میں قتال پر مبنی جہاد بہت اونچے درجے کا عمل ہے، ایسا عمل جس میں فنا ہو جانے سے آدمی کو سب سے عمدہ اور سب سے زیادہ ثمر ملتا ہے۔ اس راستے سے موت کی دہلیز عبور کرنے والا انتہائی خوبصورت اور عظیم الشان زندگی حاصل کرتا ہے جس کو دوام حاصل ہے۔ اپنی فوج کے بارے میں یہی وہ بنیادی بات تھی جسے اسلام کے کامیاب ترین سپہ سالار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دوسروں کی کئی گنا بڑی اور طاقت ور فوج کے مقابل اپنی فتح کی ضمانت سمجھتے تھے۔ اور جو مدمقابل تھے ان میں سے بہت سوں کو بھی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اس بات پر یقین تھا۔

طبری اور ان کے بعد آنے والے مؤرخین ابن الجوزی نے المنتظم اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں کسریٰ کی طرف سے حیرہ کے حاکم قبیصہ بن ایاس بن حیہ الطائی سے خالد کی گفتگو نقل کی ہے۔ آپ نے قبیصہ سے کہا: ''میں تمھیں اللہ اور اسلام کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم قبول کرلو تو تم مسلمانوں کا حصہ ہوگے، جو ان کے حقوق وہی تمھارے، جو ان کے فرائض وہی تمھارے، اگر تم اس دعوت کو قبول نہ کرو تو پھر جزیہ دینا پڑے گا، اگر وہ بھی قبول نہ ہو تو میں تمھارے سامنے ایسے لوگ لے کر آیا ہوں جو موت کے اس سے بڑھ کر حریص ہیں جتنے تم زندگی کے ہو۔'' اور جواب میں قبیصہ نے کہا: ''تم سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے، ہم جزیہ دیں گے اور جان محفوظ رکھیں گے۔''[1]

اللہ کی وحدانیت، رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور اسلام کی حقانیت کائنات کی سب سے بنیادی اور سب سے بڑی سچائی ہے، اس کی شہادت زبان سے، عمل سے اور پھر جان دے کر ہو، یہ ایک بہت بڑا روحانی تجربہ ہے جس کی لذتوں سے وہی آشنا ہوتا ہے جو اس تجربے سے گزرتا ہے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کہا تھا وہ اس سے مختلف نہ تھا جو حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے آخری مرکز یمامہ کی فتح سے فراغت کے بعد خالد کو لکھ بھیجا تھا۔ ان سے کہا گیا کہ وہ ایران کے باجگزار عراق کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے اُبلّہ کے مقام سے آغاز کرتے ہوئے اوپر کی طرف سے اُن پر حملہ آور ہوں۔ آپ نے ہدایت کی کہ خالد ''عراق کے لوگوں کے ساتھ الفت اور محبت پر مبنی تعلق استوار کرے اور انھیں اللہ کی

[1] البدایہ والنہایہ، دار الرّیّان للتراث: 347/6.

طرف بلائے، اگر وہ قبول نہ کریں تو جزیہ لے تاکہ وہ اسلامی حکومت کا حصہ بن جائیں، بصورتِ دیگر ان کے ساتھ جنگ کرے۔ اور اس جنگ کا طریق کار یہ ہے کہ کسی کو جہاد کے لیے اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرے (لوگ اس روحانی تجربے کی لذتوں سے آشنا ہیں، وہ فوراً آگے بڑھیں گے)، جو ایک بار مرتد ہوئے، وہ خود لوٹ کر بھی آجائیں تو ان سے جہاد میں کوئی مدد نہ لے (کیونکہ وہ اس عظیم روحانی تجربے کے اہل ہی نہیں) اور جو بھی مسلمان اپنی مرضی سے شامل ہونا چاہے اسے ساتھ لے لے۔ [1]

یہ بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ تک محدود نہ تھی کہ جہاد جیسے روحانی تجربے کے تقدس اور حرمت کی حفاظت ضروری ہے۔ اور یہ ایسا عمل ہے کہ اس کے ساتھ اللہ کی نافرمانی کا میل ممکن نہیں اور نہ اس کا انحصار تعداد اور ساز و سامان پر ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اسلامی عساکر کا سالار بنایا تو ان سے کہا: ''سعد! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت داری تمھیں کسی دھوکے میں نہ ڈال دے، واللہ! ہمیں کافروں پر تعداد یا ساز و سامان کے سبب سے فتح نہیں ملی بلکہ فتح اس لیے ملی کہ ہم نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور انھوں نے نافرمانی۔ اگر نافرمانی میں ہم ان جیسے ہو گئے تو وہ اپنی تعداد اور ساز و سامان کے بل بوتے پر ہمیں شکست دے دیں گے۔'' [2]

یہ خوبصورت رُوحانی تجربہ یک طرفہ نہ تھا۔ جہاں یہ فاتحین کے لیے ایک انوکھی لذت اور اعزاز کا سبب تھا وہاں مفتوحین کے لیے بھی ایسی برکت، روحانی اور مادی ارتقا اور زندگی کے ایک نئے اسلوب کا باعث بنا جس کی کوئی دوسری مثال تاریخِ انسانیت میں نہیں ملتی۔ ہر بار یہی ہوتا ہے کہ مفتوحین فتح کرنے والوں کے خلاف بغض اور کینہ اپنے دلوں میں پالتے ہیں۔ اپنی بساط کے مطابق ان کے خلاف سازش کرتے ہیں، ان کی تہذیب سے نفرت کرتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح ان سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ گاہے وہ ان کوششوں میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اکثر ان محکوموں کو کچل کر رکھ دیا جاتا ہے۔

اسلامی فتوحات اس اعتبار سے انوکھی فتوحات تھیں کہ ان میں فاتحین نے مفتوحوں کی نسل کشی یا ان کو مستقل طور پر غلام بنا لینے کے بجائے ان کو علم، کاروبار، سیاسی مناصب غرض ہر میدان میں آگے بڑھنے کے مساوی مواقع فراہم کیے اور مفتوحین کی دوسری یا تیسری نسل ہی اسلامی تہذیب کی ترجمان، قائد اور محافظ بن گئی۔ ان میں سے اسلامی دنیا کے عظیم الشان محدث، مؤرخ، ادیب، شاعر، فکری قائد، فلسفی، طبیب، تاجر، جج، منتظم حتیٰ کہ سالار بنے، غرض عزت و عظمت کے ہر منصب پر انھی غیر عرب مفتوحین کی اولاد نظر آتی ہے حتی کہ خود عربی زبان کی دل و جان سے جس طرح کی خدمت ان نئے عرب بننے والے عجمیوں نے کی اتنی خود عرب نہ کر سکے۔

ان فتوحات کا مطالعہ علم افروز بھی ہے اور عبرت انگیز بھی جسے أطلس الفتوحات الإسلامیہ دوآتشہ کر دیتی ہے۔ اس میں صرف ان علاقوں کے نقشوں پر اکتفا نہیں کیا گیا جہاں یہ واقعات ہوئے بلکہ اسلامی اور مدمقابل عساکر کی نقل و حرکت، راستوں کی تفصیلات اور مشکلات، میدان جنگ اور ان کو انتخاب کرنے کی حکمت عملی، جغرافیائی حالات کے جنگوں کے نتائج پر اثرات، غرض اتنی متنوع جہات مطالعہ کرنے والوں کے سامنے واضح ہو جاتی ہیں جو محض تاریخ کی کتابوں کے ذریعے ممکن نہیں۔

أطلس الفتوحات الإسلامیہ مصری مؤلف احمد عادل کمال کی بہترین کوشش ہے۔ انھوں نے مختلف النوع قدیم و جدید مصادر و مراجع سے اپنا مواد حاصل کیا ہے۔ منظر نامہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے تقاضوں کو نبھانا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔ وہ یقیناً ایک بڑے کام پر زیادہ سے زیادہ داد و تحسین کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ فروغ علم کے سلسلے میں ان کی کوششوں کو قبولیت سے نوازے اور اس پر انھیں اجر عظیم عطا کرے۔

[1] البداية والنهاية، دار الرّيّان للتراث: 347/6. [2] مختصر تاريخ دمشق لابن منظور: 180/4.

انسانی بساط کے مطابق ان کی شدید محنت کے باوجود ان کی کتاب کی ترتیب وتشکیل سے لے کر تاریخی مواد کے بیان، تاریخ میں بیان کردہ علاقوں، شہروں، بستیوں، پہاڑوں اور میدانوں کا حالیہ نقشوں میں تعین اور نئے اسماء کی نشاندہی اتنا بڑا کام ہے کہ لامحالہ اس میں کمال کا حصول ممکن نہیں۔ بہت سے معاملات میں کافی تشنگی رہ جاتی ہے۔ ہمارے مایۂ ناز محقق محسن فارانی صاحب نے اس کتاب کو اردو کا جامہ پہناتے ہوئے ایک بار پھر تحقیق مزید کا بیڑا اٹھایا اور زیادہ سے زیادہ مراجع کے ساتھ تقابل کر کے تصحیح، تنقیح اور تفصیل کے لیے کمر کس لی۔ ان کا کام اصل مصنف کے کام سے کم اہم نہیں نہ ہی فارانی صاحب نے محنت میں کوئی کمی چھوڑی ہے۔ ان کی اس لگن اور محنتِ شاقہ کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ انھیں خود احساس ہے کہ اس ایک کتاب کے ذریعے فتوحاتِ اسلامی کے موضوع سے انصاف کرنا ممکن نہیں اور برصغیر کی فتوحات، ایشیائے کوچک میں سلجوقی فتوحات اور صلیبیوں کے خلاف عمادالدین زنگی، نورالدین زنگی، صلاح الدین ایوبی اور ممالیک کی فتوحات سمیت موجودہ کتاب میں جو کام ادھورا رہ گیا ہے، اس کی تکمیل کے لیے وہ کتاب کا تکملہ حصہ دوم کی صورت میں خود پیش کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے موجودہ کتاب کے اردو ایڈیشن میں جو عظیم الشان اضافے کیے، ان کے پیش نظر ہم منتظر ہیں کہ حصہ دوم کی صورت میں ان کی کاوش جلد از جلد سامنے آئے تا کہ طالبانِ علم کی تشنگی دور ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کے اور بہت سے کاموں کی تکمیل کے لیے ان کی اور ان کے ساتھیوں حافظ قمر حسن، حافظ اقبال صدیق اور مولانا محمد عمران اقبال کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے۔ آمین!

پروفیسر محمد یحییٰ

سینئر ریسرچ سکالر

دارالسلام، لاہور

ستمبر 2007ء

پیش لفظ

ساری حمد اللہ کے لیے ہے جو سب جہانوں کا رب ہے، ایسی حمد جو اس کی بے شمار نعمتوں کا بدلہ ہو سکے۔ اللہ رحمت کرے اُس شخصیت پر جسے جہانوں کے لیے باعثِ رحمت بنا کر بھیجا گیا، اُس کی آل پر اور اُس کے طیب وطاہر اصحاب پر اور اُس کے بھائی بند انبیاء اور رسولوں پر۔

استاذ احمد عادل کے ساتھ میرے پرانے تعلقات ہیں۔ ہم عہدِ شباب سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ کاش جوانی کے دن لوٹ آئیں! اُن دنوں میں کتابوں اور جرائد کی تاک میں رہتا تھا جو قاہرہ میں مؤسسة الشعب، الهيئة العامة للكتاب اور دار المعارف کی طرف سے شائع ہوتے تھے۔ اس دوران میں دو نہایت عمدہ کتابیں میرے ہاتھ لگیں۔ ایک کتاب کا نام القادسیہ اور دوسری کا نام الطريق إلى المدائن تھا۔

یہ دونوں کتابیں دار النفائس بیروت سے طبع ہوئی تھیں۔ اسی دن سے مجھے شوق ہوا کہ میں ان کتابوں کے مؤلف سے بالمشافہ ملاقات کا شرف حاصل کروں۔ اس کا باعث مؤلف کا نہایت آسان اور دلکش اسلوبِ تحریر ہے جو قاری کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

اُن کے اسلوبِ تحریر کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ کتاب کے موضوعات کو نہایت مربوط طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ قاری پوری کتاب کو بغیر کسی اکتاہٹ اور پریشانی کے، جو عام تاریخی کتابوں کا لازمہ ہیں، پڑھتا جاتا ہے۔ جب ہمارے ادارے کو أطلس الفتوحات الإسلامية اور أطلس تاريخ القاهرة شائع کرنے کی پیشکش کی گئی تو مجھے اپنا عہدِ شباب شدت سے یاد آیا۔ میں نے چاہا کہ عہدِ شباب کو دورِ کہولت سے اور ماضی کو حال سے جوڑ دوں۔ اس صورت حال کا نتیجہ زیرِ نظر اٹلس کی اشاعت کی صورت میں نکلا۔ جوں جوں میں اور میرے بااعتماد ساتھی مسودے کو پڑھتے رہے، ہمارا اعتقاد اس امر پر پختہ ہوتا گیا کہ اپنی نوعیت کا یہ بالکل منفرد کام دارالسلام (قاہرہ) کے خاص طریقۂ کار کے مطابق نشر و اشاعت کی دنیا میں پیش کیا جانا چاہیے، چنانچہ میں نے اللہ پر بھروسا کر کے اس کام کی پذیرائی اور عوام الناس کی طلب کو مدنظر رکھتے ہوئے موضوع کے شایانِ شان صورت میں کتاب کی اشاعت کے متعلق منصوبہ بندی کر لی۔ آج کے دور میں تمام قومیں اپنے بہادروں کی سرگزشت اور اپنی تاریخ کی جستجو میں ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ ان کی زندگی کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے جو قطب نما کے مانند صحیح سمت کی طرف اُن کی رہنمائی کریں۔

ان اہداف کے پیشِ نظر ہمارے اس کام میں رجالِ کار کی تاریخ اور رُوئے زمین پر ان کی تُرکتازیوں کی رُوداد جمع کر دی گئی ہے تاکہ اُن کی فتوحات ہماری موجودہ نسل کے سامنے مجسم صورت میں پیش کی جا سکیں۔

بنابریں یہ کام تحریکِ فتوحات کی زندہ تصویروں کا مرقع ہے جو قاری کو فتوحات اور معرکوں میں لمحہ بہ لمحہ اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔ یہ فتوحات گویا اُس کے روبرو ایک منظر نامہ پیش کرتی ہیں جس میں میدانوں، پہاڑوں، وادیوں، دریاؤں اور صحراؤں کے رنگارنگ مناظر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ گویا یہ تصویریں ہم سے کہہ رہی ہوں: عزت و وقار اور نیک نامی کے تحفظ کا تقاضا ہے کہ ہم ہمیشہ بہادر لوگوں کا کردار ادا کریں اور جب زمانے کی چکی ہمارے خلاف چل پڑے تو تاریخ کی اس گردش سے مایوس نہ ہوں کیونکہ یہ زندگی کا چلن ہے کہ ''ایک دن تمھارے حق میں اور ایک

دن تمھارے خلاف۔" جب فتح ہمارا مقدر بنے تو ہم تکبر اور غرور کا شکار نہ ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ تکبر، آسودہ و پُرآسائش اور تعیّشات سے بھرپور زندگی پر راضی ہو کر بیٹھ رہنا اور نفسانی خواہشات کی پیروی، یہ سب اشیاء بالآخر اخلاقی و مادی گراوٹ پر منتج ہوتی ہیں۔ اندلس کے مسلمانوں کی مثال ہمارے سامنے ہے، چنانچہ جو عبرت حاصل کرنا چاہے، اُس کے لیے عبرت کا سامان موجود ہے اور سعادت مند وہی ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔

ہاں، اگر فتح ہمارا ساتھ نہ دے تو تاریخ نے ہمارے سامنے پے بہ پے ایسی مثالیں بھی پیش کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شکست ابدی نہیں ہوتی، اور یہ کہ شکست اور اسے وجود میں لانے والے اسباب پر غلبہ پانا ممکن ہے۔ مثال کے طور پر جب سقوطِ بغداد ہوا تو اس کے دو برس بعد عین جالوت کا معرکہ پیش آیا جس میں تاتاریوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ اسی طرح صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا تو بیت المقدس سمیت فلسطین اور شام کے علاقے صلیبیوں کے قبضے میں چلے گئے۔ نتیجتاً امتِ مسلمہ متحد ہوگئی اور اس کی ساری قوتیں اس ظلم و زیادتی کے خلاف مجتمع ہوگئیں۔ آخر کار صلیبی ذلت آمیز شکست کھا کر اپنے اپنے ممالک کو بھاگ گئے۔

یوں فتح کے اسباب اپنے حق میں استوار کرنے کے لیے درست سمت واضح ہو جاتی ہے۔ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امت کی عظمتِ رفتہ لوٹانے کے لیے صحیح راستہ کیا ہے جس پر گامزن رہ کر وہ دنیا کے ساتھ اپنے معاملات مثبت انداز سے طے کرنے کے قابل ہو اور دنیا کو اپنے معارف کے نور سے روشن کرے۔ اس راہ پر چل کر امت اپنے لیے وہ اسباب مہیا کرے جو اُسے اُس کی جہد و جہد میں فائدہ پہنچائیں اور جن کے ذریعے سے اُس کے قدم سیدھے رہیں تا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس سے زمین کی خلافت کا جو وعدہ کیا ہے اور اس کا بار اٹھانے کے لیے اسے لوگوں کے درمیان سب سے بہتر امت ہونے کا جو اعزاز بخشا ہے، تا کہ وہ دوسروں پر گواہ ہو، اُس پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق فائز ہونے کے قابل ہو۔ امتِ مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے بہترین امت بنایا جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ یہ نیکی کا حکم دیتی، برائی سے روکتی اور اللہ پر ایمان رکھتی ہے۔ اس امر میں شک نہیں کہ اللہ پر ہمارا ایمان ہی ہماری عظمت کا راز تھا، ہے اور رہے گا، چنانچہ ہمیں اپنے دین اور اپنی اقدار کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ہم ایک ایسی امت ہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کو پسند کیا ہے۔ اگر ہم نے اس کے علاوہ کسی اور مذہب، نظام یا دین میں عزت تلاش کی تو اللہ ہمیں ذلیل کر دے گا، لہٰذا ہمیں اپنے دینِ حنیف کی پیروی پر شرمسار نہیں ہونا چاہیے۔

ہمارے دور میں بھی اس کی بیشتر مثالیں سامنے آ چکی ہیں۔ کمونزم بری طرح شکست کھانے کے بعد اُن ممالک سے مدد طلب کر رہا ہے جو کل تک اُس کے دشمن تھے۔ اس کا راز یہ ہے کہ انھوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے خلاف جنگ کا اعلان کیا اور ان لوگوں سے نہایت بُرا سلوک کیا جو اللہ پر ایمان لائے۔ اللہ سے جنگ کرنے کی طاقت کس میں ہے؟! امریکہ جو اِن دنوں فاتح ہے، اپنی سطوت اور غلبے کے باوجود اُس نے اپنی کرنسی پر، جسے ہر چھوٹا بڑا صبح شام دیکھتا ہے، یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ اللہ کا باغی نہیں، لکھا ہے کہ ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں (IN GOD WE TRUST)۔ کاش! امریکہ اس ایمان کے مطابق عمل بھی کرتا۔ کوئی تعجب نہیں کہ وہ ایک عرصہ غالب رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایرانیوں پر رومیوں کی فتح کا اعلان کیا تھا کیونکہ وہ اہل کتاب تھے اور آگ کے پجاریوں کے مقابلے میں دینِ سماوی کے زیادہ قریب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی محکم آیات میں فرمایا:

﴿ الٓمٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ ﴾

"الٓمٓ، رومی مغلوب ہو گئے، قریب ترین زمین میں۔ اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد جلد ہی غالب آ ئیں گے۔" [1]

---

[1] الروم 30:1-3.

لیکن امریکہ کا یہ غلبہ بھی اللہ کے حکم سے ایک خاص وقت تک رہے گا کیونکہ اُس نے دنیا میں ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے اور اسے اپنے لیے جائز سمجھتا ہے۔ یہ زمین میں جاری اللہ کے قوانین کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیثِ قدسی میں فرمایا:

«يَاعِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُّحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا»

''اے میرے بندو! بلاشبہ میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے اور اسے تمھارے درمیان بھی حرام ہی رکھا ہے، لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔''[1]

ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ہماری اٹلس کبھی الفاظ کے ذریعے سے بولتی ہے، کبھی نقشوں کی مدد سے سمجھاتی اور کبھی تصویری منظر سے واقعات ذہن نشین کراتی ہے۔ کبھی اس کا اندازِ تفہیم بین السطور ہوتا ہے۔ اس کا اسلوب بے حد ممتاز ہے جس میں واقعات کی تفصیل، محل وقوع، آثار اور تصاویر کو جمع کر دیا گیا ہے۔

اسی پر بس نہیں، ہماری اٹلس اللہ کے فضل و کرم سے اپنی نوعیت کی اولین کاوش ہے۔ اس کے تمام یا زیادہ تر نقشے نئے ہیں جو مؤلفِ کتاب نے درست سائنسی طریقۂ کار کے مطابق خود تیار کیے ہیں۔ اس دوران میں انھوں نے ایسی بیشتر اغلاط کی تصحیح کی جن کا شکار اُن سے پہلے مؤرخین ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے اس کام کے منظرِ عام پر آنے کی بے پناہ خوشی ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ کام اسلامی تہذیب کے ایک نہایت اہم پہلو کے حوالے سے امت کی ضرورت پوری کرے گا۔ ہوسکتا ہے اوروں کی رائے اس باب میں مختلف ہو۔ انھیں یہ حق حاصل ہے۔ اشیاء کے متعلق رائے دینے میں اختلاف رہنا زندگی کا چلن ہے، تاہم میں دوبارہ اس کارنامے کے بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ہاں کماحقہ قبولیت حاصل کرے گا۔ قارئین سے امید کرتا ہوں کہ وہ آیندہ طباعتوں میں اسے بہتر سے بہترین بنانے کے متعلق اپنی آراء سے استفادے کا موقع دیں گے۔ آخر ناشر بھی تو ایک کسان ہی کے مانند ہے جو عمدہ بیج کا چناؤ کرتا، اُس کے لیے بہتر زمین کا انتخاب کرتا، اسے بوتا اور اُس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ پھر اُس کے اُگنے اور بار آور ہونے کا انتظار کرتا ہے۔ اگر بیج نہ اُگے تو اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے جسے اللہ ہی جانتا ہے۔ اس کے باوجود مجھے امید ہے کہ میں نے عمدہ زمین میں ایک اچھا دانہ ڈالا ہے۔ ہوسکتا ہے میں اس سے بہت جلد فائدہ نہ اٹھا سکوں لیکن عنقریب دوسرے اس سے استفادہ کریں گے۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں نے ایک اچھی شے کاشت کی۔ ان شاءاللہ۔ پہلے اور بعد کا معاملہ سارے کا سارا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

میں یہاں ان اصحاب کو فراموش نہیں کروں گا جنھوں نے اس کام میں مدد دی۔ اس سلسلے میں، میں خاص طور سے ذکر کرنا چاہوں گا استاذ احمد عادل کمال کا جو اس اٹلس کے مؤلف ہیں۔ وہ بڑی اچھی طبیعت کے مالک ہیں۔ انھوں نے کتاب کے سارے مواد کی چھان پھٹک میں خطاطوں، مصوروں اور نظرثانی کرنے والوں پر مشتمل کمیٹی سے احسن طور پر کام لیا۔ غلطی تسلیم کرنے اور دوسروں کی رائے قبول کرنے میں وہ بڑے منصف مزاج اور وسیع دل کے مالک ہیں۔ ان کے علاوہ میں استاذ دکتور عبدالشافی محمد عبداللطیف کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جو جامعہ ازہر میں تاریخِ اسلامی کے استاذ ہیں۔ انھوں نے باریک بینی سے تمام اٹلس کو از اول تا آخر ملاحظہ کیا اور بعض مقامات پر اہم نکات کی نشاندہی کی جس سے ہم نے خاطر خواہ استفادہ کیا۔ اسی طرح دکتور احمد محمود خولی رحمہ اللہ جنھوں نے اٹلس پر نظر ثانی میں بڑی محنت صرف کی اور استاذ دکتور جمال عبدالہادی جنھوں نے سلطنت عثمانیہ کے عہد میں ہونے والی فتوحات پر نظر ثانی میں اپنی مقدور بھر کوشش کی اور استاذہ فاضلہ دکتورہ ماجدہ مخلوف کا شکر گزار ہوں جنھوں نے

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث: 2577.

سلطنتِ عثمانیہ کے عہد میں ہونے والی فتوحات کے نقشوں کوتر کی زبان سے نقل کرنے میں ہماری مدد کی۔ ان کے علاوہ میں استاذ دکتور عبدالحمید مدکور کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے ہمیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔

آخر میں ہم جناب استاذ دکتور علی جمعہ محمد ﷾ کے شکرگزار ہیں کہ مؤلف سے ہمارا تعارف کرانے کا سہرا ان کے سر ہے۔ اس اٹلس کی تیاری اور اسے زیورِ طباعت سے آراستہ کرانے میں جناب محمود عبدالقادر بکار کی کوششیں بھی قابل تحسین ہیں۔

دارالسلام (قاہرہ) کے شعبۂ تالیف وتصحیح کا بھی اس اٹلس کی اشاعت میں ایک نمایاں کردار ہے، بالخصوص استاذ احمد عبدالرزاق البکری کا جنھوں نے اٹلس کو اس کی بہترین صورت میں منظرِ عام پر لانے میں غیر معمولی محنت کی۔

میں ڈیزائننگ اور گرافک سکیننگ کے شعبے میں کام کرنے والے ملازمین کو بھی نہیں بھولوں گا۔ انھوں نے اس کام کو شایانِ شان طریقے سے تیار کرنے میں جس صبر، لگاؤ اور مہارت کا مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ دراصل فضل وکرم سارا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ میں اُس ذاتِ باری تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں کہ اُس نے اس کام کی تیاری میں ہماری مدد کی۔ سب سے آخر میں، میں اپنی بات کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں: ''یہ کام دارالسلام کی اشاعتی پیشرفت میں ایک نیا سنگِ میل ہے۔ اگر ہم نے اسے بہتر طور پر انجام دیا ہے تو یہ اول وآخر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ اگر ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو ہم اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں سے امید کرتے ہیں کہ وہ ہم سے رعایت برتیں گے اور ہماری خیر خواہی کریں گے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اُن کے مشوروں پر، اگر واقعی اُن کی کوئی علمی حیثیت ہوئی اور اُن سے مقصود اللہ کی رضا ہو، ضرور عمل کریں گے۔

اللہ ہی سیدھے راستے کی رہنمائی کرنے والا اور اُس کی توفیق دینے والا ہے۔

ناشر

عبدالقادر محمود بکار

دارالسلام (قاہرہ)

مقدمہ

تاریخی اٹلس کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہوتی۔ یہ تاریخی واقعات کے مُصوّر نقشوں پر مشتمل ہوتی ہے جو عام تاریخ یا کسی مخصوص تاریخ کی تدریس وتعلیم میں مدد دیتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تاریخی اٹلس کی اہمیت تاریخی کتاب سے کم ہے بلکہ اپنے مواد اور اس کی پیشکش کے لحاظ سے اس کی اہمیت فزوں تر ہے، تاہم کتابِ تاریخ اور اطلسِ تاریخ کا اپنا اپنا میدان ہے اور ان میں سے ہر ایک دوسری کی تکمیل کرتی ہے۔

کتابِ تاریخ اور اٹلس میں ایک فرق بھی ہے۔ کتاب تاریخی مواد پیش کرتی ہے جس کی تشریح نقشوں سے کی جاتی ہے۔ اور اٹلس نقشوں پر مشتمل ہوتی ہے جن کی مختصر عبارات سے شرح کی جاتی ہے، اس میں تفصیلات مطلوب نہیں ہوتیں۔

دنیا تہذیب وتمدن اور علوم وفنون میں ترقی کے طویل مراحل طے کر کے مُصوّر اٹلسوں تک پہنچی ہے۔ مصوّر نقشہ کشی کا جب آغاز ہوا تو اس وقت جدید دور کی نقشہ کشی میں کام آنے والے بیشتر وسائل میسر نہیں تھے، چنانچہ ابتدائی نقشہ کشی موجودہ دور کی نقشہ کشی میں پائے جانے والے کئی امتیازات سے خالی تھی۔ مسلمان جغرافیہ دانوں نے نقشوں کی تیاری میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا بلکہ وہ مسلمان ہی تھے جنھوں نے نقشہ کشی کی بنیاد رکھی جیسا کہ ڈاکٹر حسین مونس کی عظیم الشان تصنیف ''اطلس تاریخ الاسلام'' میں بیان کیا گیا ہے۔ مسلمانوں نے کرۂ ارض اور سمندروں اور شہروں کی خصوصیات قلمبند کرنے کا جو عظیم الشان کام کیا اور اپنی تصانیف میں نہایت باریک بینی سے شہر وممالک کے فاصلے درج کیے، یہ کام نقشہ کشی کے علاوہ ہے۔

جوں جوں زمینی سروے کیے گیے، ٹوپوگرافی نقشے (شہروں اور اضلاع کے تفصیلی نقشے) تیار ہوئے، فضائی پیمائشیں کی گئیں اور مصنوعی سیاروں سے تصویریں لی گئیں اور اس سے پہلے کاغذ سازی اور روشنائی کی صنعت کو ترقی ملی اور طباعت وجلد بندی کے جدید اسالیب وجود میں آئے، اٹلسوں کی تیاری کا کام بھی ترقی کے مراحل طے کرتا گیا۔ پھر نقشہ کشی کے پیمانے مقرر کیے گئے اور اس سلسلے میں اصطلاحات وضع ہوئیں اور رنگوں سے کام لیا گیا۔ سمتوں کے درجے متعین ہوئے اور خطوط طول بلد وعرض بلد بروئے کار لائے گئے، پھر خطوط کنٹور (Contours)[1] ایجاد ہوئے جن سے نقشوں میں زمین کے نشیب وفراز دکھائے جانے لگے۔

اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ چودہ صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے اور عالم اسلام کا جغرافیہ بحر اوقیانوس سے لے کر بحر الکاہل تک محیط ہے۔ ظہور اسلام کے بعد بازنطینی بادشاہ (قیاصرۂ روم) اور ساسانی حکمران (اکاسرۂ فارس) اپنی رعایا کو نئے دین اسلام کے حلقہ بگوش ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی رعایا ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہو، لہٰذا ضروری تھا کہ لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے میں حائل رکاوٹیں دور کی جائیں۔ اس کے نتیجے میں فتوحات اسلامی کا آغاز ہوا۔ ہم نے تحریک فتوحات اسلامی کا تزویری (Strategic) اور تدبیری (Tactic) نقطۂ نظر

[1] خطوط کنٹور: یہ سطح سمندر سے مساوی بلندیوں کے خطوط ہیں، چنانچہ ایک خط کنٹور یکساں ارتفاعات والے مقامات کو باہم ملاتا ہے، مثلاً: خط کنٹور 100 میٹر سے مراد وہ خط ہے جو ان تمام مقامات کے نقاط کو باہم ملاتا ہے جو سطح سمندر سے 100 میٹر کی بلندی پر ہوں۔ ایسے تمام خطوط کا مجموعہ کنٹوری نقشہ کہلاتا ہے۔

سے مطالعہ کیا۔ اس میں عراق اور پوری ساسانی سلطنت فارس کا احاطہ کیا گیا جس میں فارس [1]، اہواز [2]، بحستان [3]، مکران، خراسان، آرمینیا اور آذربائیجان وغیرہ کے صوبے شامل تھے، پھر ماوراء النہر (ترکستان) اور سندھ کی فتوحات زیر بحث آئیں، پھر بلاد شام، یعنی سوریا، لبنان، اردن اور فلسطین اور پھر مصر، شمالی افریقہ، اندلس، بحیرۂ روم کے جزائر اور اٹلی اور فرانس کے جنوبی ساحلوں حتی کہ سوئٹزر لینڈ تک کی فتوحات کا جائزہ لیا گیا۔ یہ موضوعات ہم درج ذیل کتب میں پہلے پیش کر چکے ہیں:

* الطريق إلى المدائن (مدائن کی طرف پیش قدمی)
* القادسية (جنگ قادسیہ)
* سقوط المدائن و نهاية الدولة السّاسانية (سقوط مدائن اور ساسانی سلطنت کا خاتمہ)
* الطريق إلى دمشق (دمشق کی طرف پیش قدمی)
* الفتح الإسلامي لمصر (مصر کی فتح اسلامی)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مطالعے نے اس اٹلس کی تیاری میں ہمیں بہت فائدہ پہنچایا۔ چونکہ ہمارا مطالعہ سارے تاریخی مواد کا احاطہ کیے ہوئے تھا، لہٰذا یہ لازم تھا کہ اس تاریخی مواد کے حوالے سے ایک اٹلس تیار کی جائے جو تاریخ کی تشریح کرے اور جس سے محققین کے لیے تاریخ سے استفادہ کرنا آسان ہو جائے۔

یہ اٹلس اس منفرد تاریخ کو نقشوں کے ذریعے سے پیش کرتی ہے۔ اس میں عبارات کم سے کم ہیں جبکہ 134 نقشے شامل کیے گئے ہیں۔ ان کی تیاری میں ہم نے بڑی کاوش اور تحقیق سے کام لیا ہے۔ لشکروں کی پیشرفت، دشمن سے ٹکراؤ اور مختلف جنگی معرکوں کی تفصیل اور فتوحات کے مختلف مراحل

---

[1] **فارس:** ماضی کا فارس (Persia) ایک وسیع سلطنت تھا جس کی حدود اکثر و بیشتر موجودہ ایران سے کہیں وسیع تھیں۔ شاہ رضا خان پہلوی نے 1935ء میں سلطنت فارس کا نام ''ایران'' رکھا (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)۔ المنجد فی الاعلام (ص:402) کے مطابق ان دنوں ''فارس ایران کا ایک صوبہ ہے جس کا دارالحکومت شیراز ہے۔ فارس میں ہخامنشی اور ساسانی سلطنتیں پروان چڑھیں۔ یہیں (شیراز کے شمال مشرق میں) تخت جمشید (Persipolis) کے آثار پائے جاتے ہیں۔''

تخت جمشید ہخامنشیوں کا دارالحکومت تھا۔ اس کے کھنڈروں سے بعد میں اصطخر تعمیر کیا گیا جو مدائن سے پہلے ساسانیوں کا اصل دارالحکومت تھا۔
(اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

[2] **اہواز:** یہ فارسی لفظ ''ہوز'' کی جمع ہے یا ''اخواز'' (واحد ''خوز'') کی تعریب ہے جس کی اصل عربی لفظ حوز (احاطہ) ہے۔ قبل از اسلام اس کا نام خوزستان تھا اور اس میں ہر موضع خوز کہلاتا تھا جیسے خوز بنی اسد۔ عہد اسلام میں کثرت استعمال سے اسے الاہواز کہا جانے لگا۔ اہواز صوبے (کورہ) کا نام بھی ہے جو بصرہ اور فارس کے مابین ہے۔ عوام کے نزدیک شہر اہواز کا اطلاق سوق الاہواز (بازار اہواز) پر ہوتا ہے۔ ابوزید کے بقول اس کا پہلا نام ''ہرمز شہر'' ہے اور ایک قول کے مطابق ''ہرمزداد شاپور'' ہے، یعنی ''شاپور (بادشاہ) کو اللہ کا عطا کیا ہوا'' (معجم البلدان: 285,284/1)۔ جنوب مغربی ایران کا شہر اہواز صوبہ خوزستان کا دارالحکومت ہے۔ یہ دریائے کارون پر واقع ساڑھے تین لاکھ آبادی کا شہر ہے۔ (المنجد في الأعلام: 80)

[3] **بحستان:** سجستان یا سیستان کا قدیم نام سکستانہ ہے۔ یہ افغانستان اور ایران کے درمیان سرحدی علاقہ ہے۔ اس کا رقبہ کم و بیش 7006 مربع میل ہے جس میں سے 2847 مربع میل ایرانی علاقے میں اور 4159 مربع میل افغانی علاقے میں شامل ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 2,05,000 ہے۔ یہ سرزمین 1872ء کے ''سیستانی مشن'' کی مجوزہ کاغذی حد بندی کی وجہ سے دو ملکوں میں منقسم ہے۔ اس مشن کے صدر F.J.Goldsimid نے سیستان خاص اور بیرونی سیستان میں امتیاز قائم کیا۔ سیستان خاص وہ حصہ ہو سکتا ہے جو ایران سے تعلق رکھتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 518,517/11)

بیان کیے گئے ہیں۔اس میں تاریخیں قمری اور شمسی دونوں تقویموں کے حساب سے دی گئی ہیں اور اکثر نقشے ہمارے اپنے تیار کردہ ہیں کسی اور جگہ سے نقل نہیں کیے گئے۔ہم نے یہ کام 1376ھ/1956ء میں شروع کیا تھا جبکہ یہ فتوحات ہمارے زیرِ مطالعہ تھیں اور ہمیں اس اٹلس کی تیاری کا شوق چرایا تھا۔اب میں اس کی طباعت، نشر واشاعت اور تراجم کی ذمہ داری صاحب دارالسلام (قاہرہ) [1] جناب عبدالقادر محمود البکار کو تفویض کرتے ہوئے اسے اپنی سعادت خیال کرتا ہوں۔

اس اٹلس میں جن فتوحات کا تذکرہ ہے وہ تاریخِ عالم میں منفرد حیثیت رکھتی ہیں۔ان کی مثال تاریخ میں پہلے ملتی ہے نہ بعد میں۔ان فتوحات کی انفرادیت ان کا تیزی سے پایۂ تکمیل کو پہنچنا ہے۔ان کا زمانی دور بیس برس [2] سے زیادہ نہیں اور ان فتوحات نے دو مرحلوں میں تکمیل پائی:

پہلا مرحلہ: یہ مرحلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد کے اختتام سے لے کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خاتمے تک محیط ہے، یعنی 12-23ھ/633ء-643ء۔اس مرحلے میں عراق، تمام بلادِ فارس (ایران) اور مصر کی فتوحات مکمل ہوگئیں۔

دوسرا مرحلہ: یہ ولید بن عبدالملک بن مروان کا دورِ خلافت (86-96ھ/705-714ء) ہے۔اس مرحلے میں مغرب میں تمام شمالی افریقہ اور یورپ میں اندلس کی فتوحات کی تکمیل ہوئی۔پھر مشرق کی طرف وسطی ایشیا اور سندھ کی فتوحات عمل میں آئیں۔یہ تمام علاقے خطوط طول بلد کے 70 سے زائد درجوں پر محیط ہیں۔[3]

یہ عظیم فتوحات دائمی اور گہرے اثرات کی حامل ثابت ہوئیں جن کی بدولت امتِ مسلمہ کو بحر اوقیانوس سے بحر الکاہل تک اقتدار حاصل ہوگیا۔مسلمان جس سرزمین میں داخل ہوئے، وہ انھی کی سرزمین ہوگئی سوائے جزائر بحیرۂ روم، بعض یورپی ساحلوں اور جزیرہ نمائے اندلس کے، جہاں آج اسلامی تہذیب کے محض آثار جا بجا موجود ہیں جو اس امر کے شاہد ہیں کہ اندلس (اسپین) اور صقلیہ (سسلی) وغیرہ سے مسلمانوں کے انخلا کے ساتھ ہی وہاں کی تہذیب الٹے پاؤں واپس ہوئی اور پستی میں اتر گئی۔

یہ فتوحات یوں بھی منفرد حیثیت کی حامل ہیں کہ یہ قرآن کریم کی اس پیش گوئی کے مطابق ظہور پذیر ہوئیں:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○﴾

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی، اور وہ ان کے لیے ان کا دین جما دے گا جو اس نے ان کے لیے چُنا، اور یقیناً ان کی حالتِ خوف بدل کر انھیں ضرور امن دے گا۔وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔اور جو کوئی اس کے بعد

[1] یہ ایک مصری ادارہ ہے جو دارالسلام انٹرنیشنل (الریاض، لاہور) سے الگ ایک مستقل ادارہ ہے۔

[2] بیس برس سے مصنف کی مراد عہد فاروقی کے ساڑھے دس برس اور پھر خلافتِ ولید کے دس برس ہیں جو کُل ملا کر تقریباً بیس برس بنتے ہیں۔

[3] دراصل فتوحات اسلامیہ کے ان دو مرحلوں کی وسعت طول بلد کے 85 درجوں پر محیط ہے۔طول بلد کے 75 درجے الجزائر کی مغربی حدود سے ملتان اور ماوراء النہر (ترکستان) کی مشرقی حدود تک پورے ہو جاتے ہیں جبکہ نصف النہار اعظم (prime meridian) کے مغرب میں طول بلد کے 10 درجوں کے اندر مراکش اور اندلس آ جاتے ہیں۔

(أطلس المملكة العربية السعودية و العالم، نقشہ: 50 و 54)

کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔"[1]

ہم اپنی اس کاوش کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں لغزشوں سے محفوظ رکھے اور اسے ہمارے لیے نفع بخش بنائے اور ان سب کو ان کی کوشش اور نیت کے مطابق جزائے خیر دے جنھوں نے اس مصوّر اٹلس کی تیاری میں حصہ لیا۔

والحمدللہ رب العلمین

احمد عادل کمال

---

[1] النور 24:55.

ایران (فارس)
کویت
نجد
یمامہ
عروض
جزیرہ نمائے عرب
ربع الخالی
حضر موت
صنعاء
یمن
بحیرۂ عرب
عدن
خلیج عدن

حصّہ اوّل

نقشہ 1

جزیرہ نمائے عرب کی موجودہ سیاسی تقسیم اور ہمسایہ ممالک

حصہ اول

باب اول

فتوحاتِ اسلامیہ کا پس منظر اور ان کی پیش رفت

اسلام مسلمانوں سے یہ تقاضا نہیں کرتا کہ وہ دوسروں پر اپنا دین جبر اور قوت سے مسلّط کریں، تاہم وہ ان پر فرض عائد کرتا ہے کہ وہ اس دین کو لوگوں تک پہنچائیں۔ اسلام نے ان کے لیے دعوت کا یہ اسلوب پیش کیا ہے کہ وہ لوگوں کو حکمت اور اچھے وعظ و نصیحت سے دین کی طرف بلائیں۔ اس کے بعد تمام لوگ آزاد ہیں کہ وہ دین حق قبول کریں نہ کریں۔ لیکن ساتویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی ہمسایہ سلطنتیں فارس اور روم، جن کے حکمرانوں نے خود کو خدا کا درجہ دے رکھا تھا، وہ اس دعوتِ دین کے فروغ میں رکاوٹ ثابت ہو رہی تھیں۔

یزد (ایران) میں زرتشتیوں کا برج سکوت جہاں مردوں کی لاشیں کھلی رکھ دی جاتی تھیں۔

فارس (ایران) میں مجوسی، یعنی آتش پرست، فکری گمراہی میں مبتلا تھے۔ ان کے ہاں بہنوں اور ماؤں سے شادی جائز تھی۔ اس سلسلے میں ان کے ہاں محرم کا کوئی تصور نہ تھا اور نہ وہ مُردوں کو دفن کرنے کے قائل تھے۔ وہ انسانی لاشوں کو کھلی جگہ رکھ دیتے تھے تاکہ مُردار خور پرندے کھا جائیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک ان کے مُوبدان [1]، یعنی مذہبی رہنما، قبول نہ کرلیں۔ ان کا مذہب کبھی اسلام کی ہمسری کر سکتا تھا نہ اس کے مقابلے میں کھڑا ہو سکتا تھا۔ وہاں طبقاتی نظام بڑا شدید تھا۔ ان کے حُکّام میں خود پسندی اس قدر راسخ تھی جیسے وہ بادشاہ ہوں اور عوام ان کے غلام ہوں۔

اس کے برعکس اسلام لوگوں کے درمیان مساوات کا دین ہے جو اعلان کرتا ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔ ان حالات میں فارس اور اس کے ماتحت ممالک میں دعوتِ اسلام کا دروازہ کھل جاتا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے کیسے حیرت انگیز اثرات مرتب ہونے والے تھے!

یہی وجہ تھی کہ ایرانی بادشاہوں نے اپنے ہاں دعوتِ اسلام کا دروازہ بند کر رکھا تھا اور اس سلسلے میں مکمل طور پر عدم تعاون کی روش اختیار کی ہوئی تھی۔ اور اس کی ابتدا اس روز ہوئی تھی جب شاہِ فارس خسرو پرویز (کسریٰ) نے نبیِ کریم ﷺ کا نامہ مبارک چاک کر دیا تھا اور اپنے سپاہی بھیجے تھے

[1] فارسی میں "مُوبَد" (عربی میں مُوبِذ یا مَوبِذ) کے معنی ہیں زرتشتی آتش پرستوں (مجوسیوں) کا پیشوا، دانش مند یا عالم۔ اور مُوبِذِ مُوبدان زرتشتیوں کے سب سے بڑے دینی پیشوا کو کہتے ہیں۔ (حسن اللغات، فارسی، ص:867)

کہ آپ ﷺ کو گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کریں۔[1] اس دوران میں خسرو پرویز کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد بھی اسلام کے بارے میں اہلِ فارس کا رویہ تبدیل نہیں ہوا تھا۔

اُدھر رُوم، یعنی بازنطینی سلطنت میں مسیحیت رائج تھی جو گوناگوں عوارض کے سبب ضعف کا شکار ہو چکی تھی۔ اس کے پادریوں اور اُسقفوں نے اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔ مسیحیت فکری اور مذہبی طور پر کئی فرقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ جب ایک ہی دین سے منسلک فرقوں میں اس حد تک دشمنی تھی کہ مخالفین کی گردنیں اڑانا، زندہ جلانا یا کھال اتار دینا، پانی میں ڈبونا اور قتل کر کے لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ان کا عام وتیرہ تھا تو اس ماحول میں نئے دین اسلام کی دعوت کیونکر پھیل سکتی تھی؟ یہ بھی ہوا کہ بُصری الشام[2] کا غسانی حکمران جو رُوم کا باجگزار تھا، اُسے نبی ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ مکتوبِ نبوی پہنچانے گئے تو رُومی حکام نے ان کو گرفتار کر کے شہید کر دیا۔[3]

بصری الشام کی مسیحی خانقاہ، جہاں بحیری راہب سے نبی ﷺ کی ملاقات ہوئی

ان اسباب کی بنا پر اہل اسلام کے لیے فارس و شام اور مشرق و مغرب میں ان سے ملحقہ علاقے فتح کرنے کا شرعی جواز حاصل ہو گیا تھا، چنانچہ مسلمان اس آیت قرآنی کے زمزمے بلند کرتے ہوئے ان ملکوں کی طرف بڑھے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝﴾

''وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے سب ادیان پر غالب کر دے اور اللہ بطور گواہ کافی ہے۔'' (الفتح 28:48)

1 خسرو پرویز نے براہ راست اپنے سپاہی مدینہ نہیں بھیجے تھے بلکہ اس نے گورنر یمن باذان کو لکھا تھا کہ دو فوجی بھیجو جو اس آدمی کو گرفتار کر کے میرے حضور میں پیش کریں، چنانچہ باذان کے دو فوجی افسر خرخسرہ اور بابویہ مدینہ پہنچے۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''میرے رب نے آج رات تمھارے رب (بادشاہ) کو مار دیا ہے۔'' دونوں فوجی باذان کے پاس لوٹ گئے اور خسرو پرویز کے قتل کی خبر سچی نکلی جسے اس کے سوتیلے بیٹے شیرویہ نے ہلاک کر دیا تھا۔ اس پر گورنر باذان اور یمن کے فارسی لوگ مسلمان ہو گئے۔ (اٹلس سیرت نبوی، (اردو) دارالسلام، ص: 341,340، الرحیق المختوم (عربی)، ص: 354)

2 بُصری الشام: شام کا یہ شہر دمشق کے جنوب میں ضلع حَوران میں واقع ہے۔ حکماء کے نزدیک بغداد کا ایک قصبہ بھی بُصریٰ کہلاتا ہے (معجم البلدان: 441/1)۔ بُصری الشام کو بالعموم بُصریٰ کہتے ہیں۔ المنجد فی الاعلام میں اس کا نام ''بُصریٰ اِسکی شام'' دیا گیا ہے۔ یہ اردن کی سرحد سے 19 میل (30 کلومیٹر) شمال کی جانب ہے۔ تورات میں اس کا نام بصورہ بیان کیا گیا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 585/4)

3 نبی ﷺ نے حارث بن عُمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو خط دے کر شام کی طرف بھیجا۔ مؤتہ (اردن) کے مقام پر انھوں نے مکتوب نبوی پیش کیا تو شُرحبیل بن عَمرو غسانی نے انھیں گرفتار کر لیا اور باندھ کر شہید کر دیا۔ جب نبی ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے اس کا قصاص لینے کے لیے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین ہزار کا لشکر بھیجا جس کے نتیجے میں غزوۂ مؤتہ پیش آیا۔ (اٹلس سیرت نبوی، (اردو) دارالسلام، ص: 337 بحوالہ أسد الغابة: 628/1)

اس نصِ قرآنی کی روشنی میں عزمِ صمیم سے سرشار مسلمان صحرائے عرب سے نکل پڑے، جس نے ان پر صدق وصفا کا خوب رنگ چڑھا دیا تھا، اور اللہ کے داعی بن کر اکنافِ عالم میں پھیل گئے۔

فتوحات کا آغاز اوائل 12ھ / 633ء سے ہوا جب خالد رضی اللہ عنہ عراق میں داخل ہوئے اور اسی سال ماہ رجب میں اسلامی لشکر شام کی طرف بڑھے۔ اس طرح مشرق ومغرب میں بکثرت فتوحات حاصل ہوئیں جیسا کہ ہم نے اس اٹلس میں انھیں بیان کیا ہے۔

اسلامی فتوحات کا سَیل بیک وقت دو سمتوں میں آگے بڑھا:

① مشرق میں عراق، الجزیرہ، اہواز، فارس اور ان سے آگے کے علاقے۔

② شمال میں شام وفلسطین اور اس کے بعد مغرب کی طرف مصر، شمالی افریقہ اور اندلس (اور مشرقی یورپ۔)

اگلے صفحات میں ہم ان دونوں محاذوں پر اسلامی فتوحات کا جائزہ لیں گے۔

الحمراء (غرناطہ) کی دیواروں پر نقشِ قرآنی

﴿ نَصَرَهُ اللّٰهُ ﴾

''اللہ نے اس کی مدد کی'' (التوبہ 9:40)

فتوحاتِ اسلامیہ کا اجمالی جائزہ

1

مشرقی فتوحات

خالد بن ولید ﷛ کی یلغار

خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق ﷛ نے خالد بن ولید ﷛ کو 18 ہزار کا لشکر دے کر عراق روانہ کیا۔ انھوں نے آتش پرست ایرانیوں اور حیرہ اور الجزیرہ میں ان کے زیرِ نگیں عرب حاکموں کو شکست دی۔ ان کے ہاتھوں حیرہ کا سقوط عمل میں آیا، پھر انھوں نے دریائے فرات کے مغرب میں ایرانی فوجوں کا صفایا کیا اور پندرہ معرکے سر کیے۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ مدائن کی طرف بڑھتے، ان کی عسکری صلاحیتوں کی شام میں ضرورت پڑ گئی، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے انھیں لکھا کہ وہ اپنی آدھی فوج لے کر شام پہنچیں اور آدھی مثنّٰی بن حارثہ شیبانی ﷛ کے پاس عراق میں چھوڑ جائیں (صفر 13ھ / اپریل 634ء)۔ ان کے پیچھے مثنّٰی بن حارثہ شیبانی ﷛ نے اواخر ربیع الاوّل 13ھ / اواخر مئی 634ء میں بابل کے مقام پر 10 ہزار ایرانیوں کو شکست دی۔

بابل (عراق) کے کھنڈر

ابوعبید بن مسعود ثقفی ﷛ کا حملہ

خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق ﷛ وفات پا گئے تو امیر المومنین عمر فاروق ﷛ نے ابوعبید بن مسعود ثقفی ﷛ کی قیادت میں لشکر بھیجا جنھوں نے ایرانیوں کو درج ذیل جنگوں میں شکست دی:

* نمارِق: (8 شعبان 13ھ / 7 اکتوبر 634ء) [1]

[1] نَمارِق: یہ کوفہ (عراق) کے نزدیک ایک مقام ہے۔ اسلامی لشکر کی یہاں آمد اور فتح نمارق کا ذکر حضرت مثنّٰی بن حارثہ شیبانی ﷛ نے اس شعر میں کیا:

غَلَبْنَا عَلٰى خَفَّانَ بَيْدًا مُشِيحَةً

إِلَى النَّخْلَاتِ السُّمْرِ فَوْقَ النَّمَارِقِ

''ہم نے خفان کے علاقے پر غلبہ پالیا جہاں شیح نامی گھاس کا میدان ہے اور جو نمارق کے بالائی جانب کھجور کے گھنے باغات تک پھیلا ہوا ہے۔''

(معجم البلدان: 304/5)

* سقاطیہ: (12 شعبان 13ھ/11 اکتوبر 634ء) [1]
* باقُسیاثا: (17 شعبان 13ھ/16 اکتوبر 634ء) [2]

پھر معرکۂ جِسر پیش آیا (23 شعبان 13ھ/22 اکتوبر 634ء) جس میں ایرانیوں نے ابوعبید ؓ کی فوج کو شکست دی۔ ابوعبید ایرانی ہاتھی کے پاؤں تلے کچلے جانے سے شہید ہوگئے اور ان کے ہمراہ چار ہزار مسلمانوں نے شہادت پائی اور اتنے ہی دریائے فرات میں ڈوب کر شہید ہوگئے۔ مثنّٰی ؓ چار ہزار فوج بچا کر پیچھے لے آئے اور اگلے روز معرکۂ اُلّیس میں انھیں ایرانیوں پر مختصر فتح حاصل ہوئی۔ پھر مثنّٰی ؓ کے پاس کمک آ پہنچی اور رمضان 13ھ/نومبر 634ء میں معرکۂ بوَیب برپا ہوا جس میں انھوں نے ایک بڑے ایرانی لشکر کو تباہی سے دوچار کر کے یومِ جسر کا انتقام لیا۔ اس کے بعد انھوں نے عراق کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بڑی سرعت سے چھاپہ مار کارروائیاں کیں حتیٰ کہ مدائن کے قریب دریائے دجلہ عبور کر کے سُوق بغداد پر ہلّہ بول دیا (شوال 13ھ/دسمبر 634ء)۔ مثنّٰی بن حارثہ ؓ نے ان کارروائیوں سے دشمن کو مرعوب کر دیا اور اس میں مسلمانوں کے مقابلے میں آنے کی ہمت نہ رہی۔ اس دوران میں اہل فارس نے یزدگرد سوم کو اپنا بادشاہ بنالیا اور ایک لشکرِ عظیم جمع کر لیا۔ اس صورت حال میں مثنّٰی بن حارثہ ؓ صحرا کی طرف پلٹ آئے۔

بغداد کی مسجد مواب

بغداد: عہد صحابہ میں بغداد کو عربی میں ذال کے ساتھ "بغداذ" بولا اور پڑھا جاتا تھا، تاہم یاقوت حموی (متوفی 626ھ) اسے "بغداد" لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہاں ہر ماہ ایک بڑا میلہ (سوق) لگتا تھا۔ اس کے بقول بغداد کے معنی ہیں: "باغ داد" یا "داد نامی شخص کا باغ۔" اور بعض کہتے ہیں: "بغ ایک بت کا نام تھا۔ کسریٰ نے ایک ہیجڑے کو زمین کا یہ ٹکڑا دیا تھا۔ وہ ہیجڑا اپنے شہر میں بتوں کا پجاری تھا، چنانچہ اس نے کہا: "بغ داذ" یعنی "بغ نے (یہ قطعۂ زمین) دیا۔" سب سے پہلے خلیفہ ابوجعفر منصور نے 145ھ میں بغداد آباد کرنا شروع کیا اور 149ھ میں دارالخلافہ ہاشمیہ سے یہاں منتقل کرلیا۔ اس نے اسے وادی السلام، یعنی دریائے دجلہ کی نسبت سے مدینۃ السلام کا نام دیا۔ اسے "ام الدنیا" اور "سیدۃ البلاذ" بھی کہا جاتا ہے (معجم البلدان: 457,456/1)۔ بغداد کی جگہ سامرّاء 836ء تا 892ء دارالخلافہ رہا۔ بغداد کو 656ھ/1258ء میں ہلاکو خان نے اور 1401ء میں امیر تیمور نے تباہ کیا۔ 1638ء میں عثمانی خلیفہ مراد رابع نے اس پر قبضہ کرلیا۔ اب یہ عراق کا ملکی اور صوبائی دارالحکومت ہے۔ صوبہ بغداد میں بغداد، اعظمیہ، کاظمیہ، محمودیہ اور مدائن کے اضلاع شامل ہیں۔ آبادی 32 لاکھ سے زائد ہے۔ (المنجد في الأعلام)

سعد بن ابی وقاص ؓ میدانِ قادسیہ میں

اب امیر المومنین عمر بن خطاب ؓ نے سعد بن ابی وقاص ؓ کو اسلامی لشکر کی قیادت سونپی، چنانچہ انھوں نے 33 ہزار کی فوج کے ساتھ تیسرے حملے کا آغاز کیا۔ 15 شعبان 15ھ/22 ستمبر 636ء کو قادسیہ کا معرکہ پیش آیا جس میں ایران کے لشکرِ عظیم (2 لاکھ افراد) کو شکست ہوئی اور حرب وسیاست میں طاق بڑے بڑے ایرانی سالار مارے گئے۔ صفر 16ھ/مارچ 637ء میں مدائن کا سقوط ہوا اور یزدگرد شاہ حلوان کی طرف فرار ہوگیا۔ اس کے لشکر کو جلولاء میں ایک اور شکست ہوئی (اول ذی قعدہ 16ھ/24 نومبر 637ء)۔ پھر یزدگرد کو رے کی طرف راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔ اس دوران میں حلوان فتح ہوگیا اور مسلمانوں نے

[1] سقاطیہ: یہ ارضِ واسط (سواد) میں کسکر کے پاس واقع ہے۔ یہاں ابوعُبید ثقفی ؓ اور ایرانی سپہ سالار نرسیان کے لشکروں میں جنگ ہوئی تھی جس میں ایرانیوں نے بُری طرح شکست کھائی۔ (معجم البلدان: 226/3)

[2] باقُسیاثا: یہ ارضِ سواد میں بارُسما کی ایک تحصیل ہے۔ یہاں ابوعُبید ثقفی ؓ نے جالینوس کی فوج کو شکست دی۔ (معجم البلدان: 327/1)

200 کلومیٹر کا نصف دائرہ دشمن سے خالی کرالیا۔

ادھر عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ربیع الاول 16ھ/مئی 637ء میں شط العرب [1] کی طرف پیش قدمی کی اور رجب، شعبان 16ھ/اگست، ستمبر 637ء میں قدیم شہر اُبلّہ پر قبضہ کرلیا۔ انھوں نے شہر بصرہ کی بنیاد رکھی جبکہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ ان دونوں شہروں سے لشکروں کی روانگی کے نتیجے میں مشرق اور شمال کی طرف کثیر فتوحات حاصل ہوئیں اور ساسانی سلطنت کا اہواز اور الجزیرہ کا ورثہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

مدائن کے بحال شدہ کھنڈر

مسلمانوں نے اہواز میں ایرانی سپہ سالار ہُرمزان پر فتح حاصل کی اور اسے گرفتار کر کے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ بھیج دیا۔ عبداللہ بن مالک بن معتم رضی اللہ عنہ شمال میں تکریت [2] کی طرف بڑھے اور اسے جمادی الاولیٰ 16ھ/جون 637ء میں فتح کر لیا۔ پھر انھوں نے موصل اور نینویٰ [3] فتح کیے۔ ادھر عمرو بن مالک رضی اللہ عنہ نے ہیت [4] اور قرقیسیاء [5] کی طرف پیش قدمی کی اور دونوں فتح کر لیے۔ پھر عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے الجزیرہ کی فتح کی تکمیل کی (ذی الحجہ 16ھ/

[1] شط العرب: دجلہ اور فرات، قرنہ کے نزدیک باہم ملتے ہیں تو شط العرب کا دریا بنتا ہے جو بصرہ کے جنوب میں عراق اور ایران کے مابین سرحد بناتا ہوا خلیج فارس میں جا گرتا ہے۔ شط العرب کی لمبائی 185 کلومیٹر اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی 1200 میٹر ہے۔ اس پر بصرہ کی مشہور بندرگاہ واقع ہے۔ شط العرب کے آس پاس کھجوروں کے باغات دنیا میں سب سے بڑے ہیں۔ خرم شہر کے قریب (ایران سے آنے والا دریا) کارون، شط العرب سے ملتا ہے۔ (المنجد في الأعلام)

[2] تکریت: عراق کا یہ شہر سامراء کے شمال میں دریائے دجلہ کے کنارے واقع ہے۔ یہ صوبہ (محافظہ) تکریت کا صدر مقام ہے۔ تکریت شہر میں صلاح الدین ایوبی پیدا ہوئے تھے۔ 1394ء میں تیمور لنگ نے اسے تباہ کر دیا (المنجد في الأعلام)۔ عراق کے مرحوم صدر صدام حسین کی جائے پیدائش تکریت کے پاس ایک قصبہ ہے۔

[3] نینویٰ: اسے نینوہ یا نینواہ بھی کہتے ہیں (جغرافیہ خلافت مشرقی)۔ اشوریوں نے اسے گیارہویں صدی ق م میں دارالحکومت بنایا تھا۔ شاہ سنحارب (704-681 ق م) کے عہد میں اس نے بہت شہرت پائی۔ 612 ق م میں بابل اور ماد (فارس) کی متحدہ افواج نے اسے تباہ کر دیا۔ فرانسیسی ماہرین نے 1820ء میں دریائے دجلہ کے مشرق میں "تل قویونجق" کے مقام پر اس کے کھنڈر دریافت کیے۔ یہاں سنحارب اور اشور بنی پال کے محلات قابل دید ہیں۔ نینویٰ شمالی عراق کا ایک صوبہ بھی ہے جس کا دارالحکومت موصل ہے جو نینویٰ کے بالمقابل دجلہ کے مغربی کنارے پر ہے۔ ایک روایت کے مطابق قوم نوح یہاں آباد تھی۔ حضرت یونس بن متیٰ علیہ السلام بھی شہر نینویٰ سے تعلق رکھتے تھے۔ یاقوت حموی، معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ کوفہ کے مضافات میں بھی ایک قصبہ نینویٰ کہلاتا ہے۔ (اطلس القرآن (اردو)، ص:49)

[4] ہیت یا ہیث: بالائی فرات پر واقع عراق کا شہر ہیت صوبہ انبار کا صدر مقام ہے۔ یہاں تیل کا بڑا ذخیرہ ہے (المنجد في الأعلام)۔ ہیت میں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا مرقد ہے۔ ہیت، حَوران (شام) کا ایک قصبہ بھی ہے۔ (معجم البلدان: 420/5)

[5] قرقیسیاء: شام کے قدیم شہر قرقیسیہ کے کھنڈر صوبہ حسکہ میں دریائے خابور اور دریائے فرات کے سنگم پر واقع ہیں (المنجد في الأعلام)۔ قَرقِیسِیاء، کرکیسیا کا معرب ہے جبکہ کرکیس گھوڑوں کے دستے کو کہتے ہیں۔ قصبہ قرقیسیاء دریائے فرات اور خابور کی مثلث میں واقع ہے۔ (معجم البلدان: 328/4)

دسمبر 637ء) اور نصیبین، الرّہا اور حرّان [1] وغیرہ فتح کر لیے۔

جنگِ نہاوند اور اس کے نتائج

پھر نہاوند کی جنگ ہوئی جو قادسیہ کے بعد دوسری فیصلہ کن جنگ تھی جسے مؤرخین فتح الفتوح کا نام دیتے ہیں۔ اس میں 15 ہزار مسلمانوں نے نعمان بن مُقرِن مُزنی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ڈیڑھ لاکھ مجوسی ایرانیوں کے جمِ غفیر کو شکست دی۔ اتنا بڑا لشکر اہلِ فارس اس کے بعد کبھی اکٹھا نہ کر سکے۔ مسلمان جلد ہی سرزمینِ فارس کے طول وعرض میں پھیل گئے اور ان کی فتوحات کا دائرہ آذربائیجان، آرمینیا، موقان [2]، باب الابواب (دربند)، طبس [3]، خراسان، بجستان (سیستان)، کرمان اور مکران وغیرہ تک پھیل گیا۔

شط العرب کا دلکش منظر

مشرقی ترکی میں آرمینیا کی سرحد پر کوہ جودی (ارارات) جہاں کشتیٔ نوح اتری

دشتِ موقان، آذربائیجان (ایران)
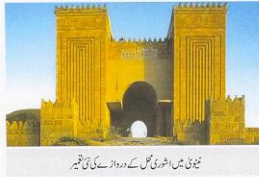
نینوئی میں اشوری محل کے دروازے کی نئی تعمیر
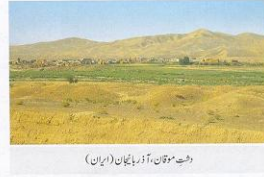
1 نصیبین، الرُّہا (ایڈیسا) اور حران آج کل ترکی میں شامل ہیں۔

2 **موقان:** یہ آذربائیجان (ایران) کا ایک حصہ ہے۔ یہاں اردبیل سے تبریز تک پہاڑ ہیں جہاں ترکمان اپنے ریوڑ چراتے ہیں۔ اہل موقان اسے ''موغان'' کہتے ہیں (معجم البلدان: 225/5)۔ موغان یا مُغان، مُغ (آتشکدے کا پروہت) کی جمع ہے۔

3 **طبس:** یہ نیشاپور، اصفہان اور کرمان کے درمیان واقع ہے۔ طبس نامی دو مقامات ہیں: طبس عناب اور طبس تمر۔ انھیں ملا کر طبسان کہا جاتا ہے۔ عرب اسے باب خراسان کا نام دیتے ہیں (معجم البلدان: 20/4)۔ ان دنوں طبس صوبہ خراسان کا اہم شہر ہے۔ یہاں سے مشرق میں فردوس اور قاین (خراسان) اور مغرب میں پشت بادام (صوبہ یزد) کو سڑکیں جاتی ہیں۔ (أطلس العالم)

2

شمال اور مغرب کی فتوحات

شام کی فتوحات

ارتداد کے خلاف جنگوں کے دوران میں جب خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کا لشکر بلقاء [1] کے مقام پر خیمہ زن تھا تو رومیوں نے اچانک چھاپہ مارا جس سے مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ [2] اس سے خلیفۂ اوّل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس نتیجے تک پہنچے کہ رومیوں نے مسلمانوں سے جنگ کا تہیہ کر لیا ہے، لہٰذا انھوں نے پیش قدمی میں پہل کرنے کا فیصلہ کیا اور چار سالاروں کو پرچم اور افواج دے کر بھیجا۔ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما [3] (ہمراہ 7 ہزار فوج) دمشق کی طرف، شُرَحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ (ہمراہ 7 ہزار فوج) اُردن کی طرف، ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ (ہمراہ 7 ہزار فوج) حمص کی طرف اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (ہمراہ 3 ہزار فوج) فلسطین کی طرف بڑھے، چنانچہ شام کی پہلی لڑائیاں عربہ [4] اور داثن [5] کے مقام پر ہوئیں (24 ذی الحجہ 12 ھ/2 مارچ 634ء) جن میں یزید رضی اللہ عنہ نے رومی فوجوں کو شکست دی۔

وادیٔ اردن اور بحیرۂ مردار

ان چاروں اسلامی لشکروں کے مقابلے میں ہر بار رومیوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی اور مسلمان الگ الگ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا انھوں نے ایک قیادت کے تحت

1 بلقاء: عرب جغرافیہ دانوں نے یہ نام یا تو شرق اردن کے ان تمام علاقوں کے لیے استعمال کیا ہے جو قدیم عمون مآب (مواب) یا جلیاد (Gilead) کے برابر ہے یا اس کے وسطی حصے کے لیے جس کا مرکزی شہر مختلف وقتوں میں عمان، حسبان (Esbus) یا السلط رہا ہے۔ یہ شمال میں وادیٔ زرقا اور جنوب میں وادی الموجب (ارنون Arnon) کے مابین واقع ہے۔ سقوط دمشق اور عمان کی سپر اندازی کے کچھ ہی عرصے بعد یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے اس علاقے کو فتح کیا۔ اس میں عجلون کے شہر مثلاً اُربد (اربد) اور مؤتہ کے مانند مآب شامل تھے۔ یہیں 835 میٹر اونچا کوہ نیبو ہے (جہاں موسیٰ علیہ السلام نے وفات پائی تھی۔) (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 822/4)

2 اطلس الفتوحات الاسلامیہ (عربی) میں بلقاء کی جگہ تیماء درج ہے جبکہ اسلامی لشکر اور رومیوں میں یہ لڑائی تیماء کے مقام پر نہیں بلکہ بلقاء (شرق اُردن) میں ہوئی تھی جیسا کہ کتاب مذکور کے باب "فتح الشام" میں درج ہے۔

3 صحابی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی اور اُموی خلیفہ یزید بن معاویہ کے چچا تھے۔ (أسد الغابة)

4 عَرَبہ: یہ مقام ارض فلسطین میں ہے جہاں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے کمانڈر ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی رومیوں سے جھڑپ ہوئی تھی۔ نیز بلاد عرب کو عَرَبہ (یا عَرْبہ) کہتے ہیں جس کی جمع عَرَبات ہے۔ ابوالفصاحت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد عربہ میں پلی بڑھی جو تہامہ (عرب) میں واقع ہے (معجم البلدان: 96/4)۔ عربۂ فلسطین بحیرۂ مردار کے جنوب میں واقع موجودہ اردنی شہر غور الصافی کے جنوب میں پڑتا تھا۔

5 داثن: یہ فلسطین میں غزہ کے قریب ایک بستی ہے۔ عہد صدیقی میں مسلمانوں اور رومیوں کے مابین پہلی لڑائی داثن میں ہوئی۔ (معجم البلدان: 417/2)

لڑنے کا فیصلہ کیا اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو اپنا سپہ سالار بنایا جنھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کی، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ محاذِ عراق سے نصف فوج لے کر شام پہنچیں اور متحدہ لشکر کی قیادت سنبھالیں۔ اس طرح جیوشِ شام کی کل تعداد 33 ہزار ہوگئی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شام آ کر بُصریٰ فتح کر لیا (25 ربیع الاول 13ھ/ مئی 634ء)، پھر دمشق کا رُخ کیا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہمراہ تھے جبکہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فلسطین میں اور شرحبیل رضی اللہ عنہ بُصریٰ کے انتظامات میں مصروف رہے۔ دریں اثناء ایک رومی فوج نے حمص سے پیش قدمی کی تاکہ شرحبیل رضی اللہ عنہ سے بُصریٰ واپس لے لیں۔ اسی طرح ایک رومی لشکر فلسطین کی طرف بڑھا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسلامی عساکر اجنادین کے مقام پر جمع کیے اور ایک لاکھ رومیوں اور ان کے عرب حلیفوں کو شکست دی (27 جمادی الاولیٰ 13ھ/ 30 جولائی 634ء)۔ اس جنگ میں دشمن کے 3 ہزار فوجی مارے گئے اور باقیوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس مہم سے فارغ ہو کر پھر دمشق کا جا محاصرہ کیا۔

عربہ (فلسطین) کی وادی

رومیوں کا دوسرا لشکر دمشق کے جنوب میں مرج الصفر کے مقام پر جمع ہوا جسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شکست دی اور لوٹ کر پھر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ اس دوران میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے 21 جمادی الآخرہ 13ھ/ 23 اگست 634ء کو رحلت فرمائی اور امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی۔ انھوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو اسلامی عساکر کا امیر مقرر کیا۔

جنگِ بیسان

بعلبک میں رومی مندر باکوس (Bacchus) کے کھنڈر

اس دوران میں شاہ ہرقل نے 60 ہزار کا لشکر مرج ابن عامر کی طرف سے بیسان روانہ کیا جو طبریہ کے جنوب میں واقع ہے۔ دریں اثناء 20 ہزار رومی انطاکیہ سے بعلبک [1] کے راستے بیسان آ پہنچے۔ یوں رومی افواج کی تعداد 80 ہزار ہو گئی جن کا سپہ سالار سکلاریوس تھا۔ اسلامی افواج فحل [2] میں جمع ہوئیں اور انھوں نے دریائے اُردن پار کر کے رومیوں کو شکست فاش دی (28

[1] بعلبک: لبنان کا یہ شہر آثار قدیمہ کے لیے مشہور ہے۔ یہ سطح سمندر سے 1150 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ سلیوکی (یونانی) بادشاہوں کے عہد میں یہ ہیلیو پولس (مدينة الشمس) کے نام سے مشہور تھا۔ رومی عہد میں یہاں جوپیٹر (مشتری دیوتا) کا معبد بنا (المنجد في الأعلام)۔ کہا جاتا ہے کہ بعلبک ملکہ بلقیس کو بطور حق مہر دیا گیا۔ یہاں قصر سلیمان بھی تھا۔ بَعل حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم کا بت تھا جس کے نام سے بعلبک موسوم ہوا۔ یونانی اس بت کو پوجتے تھے۔ یہاں حضرت الیاس علیہ السلام اور حفصہ (معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی بہن) کی قبریں ہیں (معجم البلدان: 454/1)۔ 361ھ / 972ء میں بعلبک پر فاطمی اور 2 سال بعد رومی قابض ہو گئے۔ 416ھ /1025ء میں والیٔ حلب صالح ابن مرداس نے اسے عیسائیوں سے واپس لیا۔ 549ھ / 1154ء میں نورالدین زنگی نے اسے فتح کیا۔ پھر 565ھ/ 1170ء کے شدید زلزلے سے یہ تباہ و برباد ہوا تو اسے از سرِ نو تعمیر کیا گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 634/4)

[2] فحل: اُردن کا شہر فحل یا پیلا (Pela) بیسان کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ پیلا اُن دس (10) شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے جنھیں یونانیوں نے 310 ق م میں آباد کیا تھا (المنجد في الأعلام، ص: 407)۔ فحل اور بیسان کے درمیان دریائے اردن حائل ہے۔

ذی قعدہ 13ھ / 3 جنوری 635ء)۔ یوں اُردن کا تمام علاقہ مسلمانوں کے زیر تسلط آ گیا اور اہلِ اُردن نے ان سے مصالحت کر لی۔ مسلمان پھر دمشق کی طرف لوٹ گئے اور چار ماہ اس کا محاصرہ کیے رکھا۔

سقوطِ دمشق

محاصرۂ دمشق کے دوران میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شہر کے مشرق میں تھے، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور شُرحبیل رضی اللہ عنہ شمال میں، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مغرب میں اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جنوب میں تھے۔ انھوں نے جب محاصرہ سخت کر دیا اور محصور رومی لشکر کے قائد نسطاس بن نسطورس کو کمک پہنچنے کی کوئی امید نہ رہی تو اس نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی درخواست کی۔ اِدھر دمشق کے رومی گورنر نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے امان طلب کی جو انھوں نے دے دی۔ اس دوران میں نسطاس کے نومولود بیٹے کے جشنِ ولادت کی وجہ سے اس کا لشکر غفلت میں پڑ گیا جس سے خالد رضی اللہ عنہ کو مشرقی دروازہ بزور فتح کرنے کا موقع مل گیا۔ اُدھر مغربی دروازے کے رومیوں نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ یوں اتوار 15 رجب 14ھ / 3 ستمبر 635ء کو دمشق کا سقوط عمل میں آیا۔

بعلبک اور حمص کی فتح

سردیوں میں مسلمان دمشق میں مقیم رہے، پھر بعلبک کے راستے حمص کی طرف بڑھے۔ پیچھے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما دمشق میں رہے، شُرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اُردن میں اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فلسطین میں ٹھہرے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے بعلبک والوں کی صلح کی درخواست منظور کر لی (25 ربیع الاول 15ھ / 6 مئی 636ء) اور مسلمانوں کا شہر پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد 21 ربیع الآخر 15ھ / یکم جون 636ء کو مسلمان حمص میں داخل ہو گئے جبکہ شہریوں نے کوئی خاص مزاحمت نہ کی۔
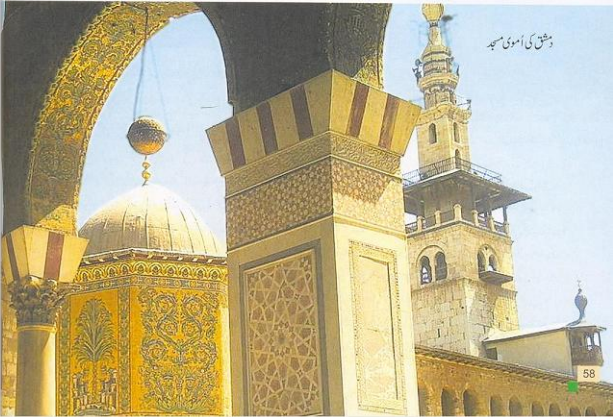
دمشق کی اُموی مسجد

بقاع (لبنان) کی خوبصورت وادی
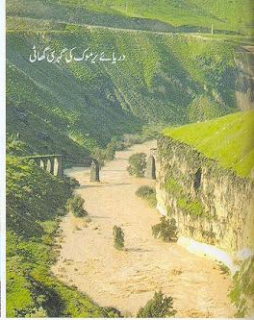
دریائے یرموک کی گہری گھاٹی

یرموک کا فیصلہ کن معرکہ

اب ہرقل نے جوابی حملے کے طور پر 2 لاکھ کا انبوہِ کثیر باہان کی سپہ سالاری میں روانہ کیا۔ ابوعبیدہ ؓ مصلحت کے تحت حمص سے دمشق کی طرف لوٹ آئے۔ تب رومی لشکر حمص میں داخل ہوا، پھر بقاع [1] اور بعلبک سے ہوتے ہوئے انھوں نے جابیہ [2] کے جنوب میں مسلمانوں کو گھیرنا چاہا لیکن مسلمان پسپا ہو کر پہلے جابیہ، پھر اذرعات چلے آئے۔ رومی لشکر ان کے برابر چلا آ رہا تھا حتی کہ وہ دریائے یرموک [3] کے کنارے آن ٹھہرا۔ ابوعبیدہ ؓ نے سپہ سالاری خالد بن ولید ؓ کے سپرد کی۔ جنگ یرموک میں رومیوں نے شکست کھائی اور واقوصہ کے قریب مفرور مسیحی مسلمانوں کے دباؤ کی تاب نہ لا کر یرموک کے بلند کنارے سے نشیب میں ڈھیر ہوتے چلے گئے۔ یہ جنگ سوموار 5 رجب 15ھ / 12 اگست 636ء کو لڑی گئی۔ اس کے نتیجے میں شام کے تمام دروازے مسلمانوں کے لیے کھل گئے۔

[1] بقاع: ان دنوں بقاع لبنان میں شامل ہے۔ محافظ (صوبہ) بقاع کا دارالحکومت زحلہ ہے۔ بعلبک اور ہرمل بھی اسی صوبے میں ہیں (المنجد في الأعلام)۔ سہل البقاع، یعنی میدانِ بقاع کے مشرق میں شامی سرحد پر جبال لبنان الشرقیہ اور جبل الشیخ واقع ہیں اور مغرب میں جبال لبنان پھیلے ہوئے ہیں (أطلس العالم)۔ دمشق کے پاس ایک مقام بقاع کلب کہلاتا ہے جبکہ البقاع ایک وسیع سرزمین ہے جو بعلبک، حمص اور دمشق کے مابین واقع ہے۔ (معجم البلدان: 470/1)

[2] جابیہ: یہ شمالی حوران (شام) میں مرج الصفر کے قریب جولان کے نواح میں ایک بستی ہے۔ اسے جابیۃ الجولان بھی کہتے ہیں۔ یہاں امیرالمومنین عمر فاروق ؓ نے مشہور خطبہ دیا تھا (معجم البلدان: 91/2)۔ جابیہ، غسانی حکمرانوں کی مرکزی قیام گاہ تھا، اس لیے جابیۃ الملوک کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ جولان میں دمشق سے تقریباً 80 کلومیٹر جنوب میں ہے اور ''نَوَا'' سے زیادہ دور نہیں۔ آج کل یہ مقام ایک بہت بڑے چشمے اور چراگاہوں پر مشتمل ہے۔ دمشق کے جنوب مغربی دروازے باب الجابیہ سے اس کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ یہ بہت عرصہ جُندِ دمشق کا صدر مقام (چھاؤنی) رہا۔ طاعون عمواس میں جب فلسطین کا آدھا اسلامی لشکر تباہ ہو گیا تو لوگ یہیں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ 64ھ / 684ء میں یہیں مروان بن حکم کی خلافت کا اعلان ہوا۔ اب جابیہ کا نام ابن عباس ؓ سے مروی حدیث کی بدولت زندہ ہے کہ قیامت کے دن اہلِ ایمان کی رُوحیں جابیہ میں جمع ہوں گی اور کفار کی حضر موت میں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 13،12/7)

[3] دریائے یرموک: شام کا یہ دریا سطحِ مرتفع حوران سے نکلتا ہے اور شام اور اُردن کی سرحد پر بہتا ہوا جھیل طبریہ کے جنوب میں دریائے اُردن (The Jordan) سے جا ملتا ہے (المنجد في الأعلام)۔ یرموک جسر الجامع کے مقام پر دریائے اردن میں جا گرتا ہے۔ آج کل یہ دریا بدوی قبیلہ مناضرہ کے نام پر شریعۃ المناضرہ کہلاتا ہے۔ یرموک کا میدان جنگ نہر الرقاد اور یرموک کے سنگم کے قریب واقع تھا اور یہ جگہ واقوصہ (جدید یاقوصہ) سے زیادہ دور نہیں۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 286/23)
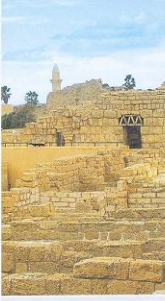
قیساریہ (فلسطین) کے آثار

مصر کی فتوحات

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قیساریہ [1] سے روانہ ہوئے اور 4 ہزار فوج کے ساتھ مصر میں داخل ہوگئے۔ وہ شمالی سیناء سے گزرتے آگے بڑھے۔ عیسائیوں سے اولین معرکے قلعہ فرما اور بلبیس میں پیش آئے۔ اس دوران میں عمرو رضی اللہ عنہ کے لیے کمک آ پہنچی اور ان کا لشکر 12 ہزار ہوگیا۔ عین الشمس (ہیلیو پولس) [2] میں ایک بڑی جنگ ہوئی جس میں رومیوں نے شکست فاش کھائی، پھر قلعہ بابلیون [3] اور الفیوم یکے بعد دیگرے فتح ہوگئے۔ اس کے بعد عمرو رضی اللہ عنہ مصر کے دارالحکومت اسکندریہ کی طرف بڑھے اور ذی قعدہ 21ھ / ستمبر 642ء میں شدید لڑائی کے بعد اسکندریہ کے رومیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اسی طرح ڈیلٹا (نیل) کے شہر ایک ایک کر کے مسلمانوں کے تسلّط میں آ گئے، پھر عمرو رضی اللہ عنہ نے مغرب کا رُخ کیا۔

[1] **قیساریہ:** اسے قیساریۂ فلسطین یا قیصریہ بھی کہا جاتا ہے۔ اب یہ کھنڈروں کی شکل میں ہے (المنجد في الأعلام)۔ رومی دور میں اس نام سے 17 شہر بسائے گئے تھے، چنانچہ یہودی حکمران ہیرود اعظم نے 22 ق م میں قیصر اغسطس کے نام پر حیفا اور یافا کے درمیان قیساریہ کی بنیاد رکھی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 19ھ / 640ء میں اسے فتح کر لیا۔ یورپی صلیبیوں نے 1104ء، 1191ء اور 1251ء میں اس پر قبضہ کیا اور 1187ء، 1220ء اور 1265ء میں مسلمان اس پر قابض ہوئے حتی کہ سلطان قلاوون نے اسے فتح کر کے قلعہ قیساریہ تباہ کر دیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-2/561,560)

[2] **ہیلیو پولس:** قاہرہ کے مشرق میں سات آٹھ کلومیٹر پر عین الشمس یا ہیلیو پولس واقع تھا جسے اب مصر الجدیدہ کہا جاتا ہے۔ یونانی نام ہیلیو پولس کے معنی ہیں ''سورج کا شہر'' کیونکہ یہاں سورج دیوتا کی پوجا ہوتی تھی۔ اسی جگہ وہ دو ستون تھے جنھیں قلوپطرہ کی سوئیاں کہا جاتا ہے۔ سنگ خارا کے یہ ستون فرعون تھتموسس سوم نے 1475 ق م کے لگ بھگ نصب کیے تھے۔ 12 ق م میں رومیوں نے انھیں اسکندریہ میں لے جا گاڑا۔ 1878ء میں ایک بار پھر انھیں اکھاڑا گیا اور اب ان میں سے ایک لندن میں دریائے ٹیمز کے کنارے ایستادہ ہے اور دوسرا نیو یارک میں۔ (اطلس القرآن (اردو)، ص: 119)

''عین الشمس'' کے بارے میں یاقوت حموی لکھتے ہیں: ''یہ مصر میں فرعون موسیٰ کا شہر تھا۔ فسطاط اور عین الشمس کے مابین 3 فرسخ (9 میل) کا فاصلہ ہے۔ شام کی طرف سے آئیں تو یہ بلبیس اور فسطاط کے مابین مَطَرِیّہ کے قریب واقع ہے (جبکہ مطریہ، عین الشمس کے جنوب میں ہے) اور یہ نیل کے کنارے واقع نہیں۔ یہیں زلیخا نے یوسف علیہ السلام کی قمیص چاک کی تھی۔'' (معجم البلدان: 4/178) گویا یاقوت کے بقول عین الشمس حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں کے زمانے میں مصر کا دارالحکومت تھا مگر عرب محقق شوقی ابو خلیل کی تحقیق کے مطابق یوسف علیہ السلام کے زمانے میں شاہ مصر کا دارالحکومت نیل کے ڈیلٹا میں تانیس (صان الحجر) نامی شہر تھا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے پہلے دارالحکومت بالائی مصر میں تھیبس یا طیبہ کے مقام پر منتقل ہوگیا جسے اب اَلْاَقْصُر (Luxor) کہا جاتا ہے۔
(اطلس القرآن (اردو)، ص: 120,119)

[3] **بابلیون:** حضرت ادریس علیہ السلام بابل سے مصر پہنچے تو انھوں نے دریائے نیل کو دیکھ کر کہا: ''بابلیون'' یعنی ''بابل (دریائے فرات) کی طرح بڑا دریا۔'' اس پر اس سرزمین کا نام ہی بابلیون پڑ گیا جسے عربوں نے مصر بن حام بن نوح کے نام پر ''مصر'' کہا (قصص القرآن: 1/74,73)۔ قاہرہ کے میدان کے شمال میں ہیلیو پولس کا قدیم شہر تھا جسے عرب عین الشمس کہتے ہیں۔ اس میدان کے جنوب میں بابلیون کا حصار تھا۔ لفظ بابلیون قدیم مصری Pi-Hapi-n-On کی یونانی شکل ہے۔ اس وقت قدیم قلعے کے چند بچے کھچے حصے قصر الشمع میں موجود ہیں۔ یہاں مسلمانوں کا فوجی کیمپ تھا جو بعد میں ترقی کر کے ''فسطاط مصر'' کے نام سے ایک شہر بن گیا۔ لاطینی تحریروں میں قاہرہ کے بجائے بھی بابلیون درج ہے جیسے صلاح الدین ایوبی کو ان میں Saladino Di Babilonia یعنی ''بابلیون کا صلاح الدین'' لکھا گیا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 3/829 اور 16-1/180)

لیبیا کے شہر طرابلس (ٹریپولی) میں مسجد احمد پاشا
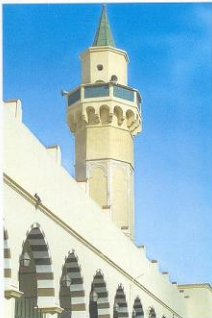
لیبیا اور مغرب کی فتوحات

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے 21ھ یا 22ھ/642ء یا 643ء میں برقہ فتح کر لیا۔ انھوں نے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو ایک جیش کے ساتھ بھیجا جن کے ہاتھوں 22ھ/642ء میں زویلہ [1] فتح ہوا۔ خود عمرو رضی اللہ عنہ نے طرابلس [2] کو جا گھیرا اور 22ھ میں اس پر قبضہ کر لیا۔ مزید برآں انھوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو مامور کیا جن کے ہاتھوں سبراطہ اور زوانۃ فتح ہوئے اور بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے 23ھ/643ء میں ودان فتح کر لیا۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل لیبیا نے بغاوت کی روش اختیار کی، چنانچہ 28ھ/648ء میں عہد عثمانی میں لیبیا دوبارہ فتح ہوا اور وہاں کے رومی حاکم جرجیر نے جزیے پر صلح کر لی۔ اس نے پھر بغاوت کی تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے 29ھ/649ء میں حملہ کر کے جرجیر کو قتل کیا اور اس کا لشکر تتر بتر کر دیا۔

ودان (لیبیا) کے پاس صحرائے اعظم کا ایک منظر
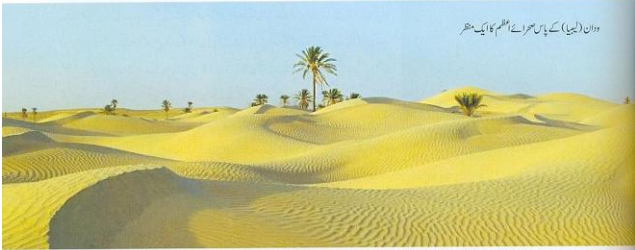
[1] **زویلہ:** زَوِیلَۃُ السُّودان (بقول ادریسی ''زاویلہ'') فزان (لیبیا کا جنوبی صوبہ) کے دارالحکومت وَدآن سے جانب شمال بلادِ سودان کی سرحد پر واقع تھا۔ یہاں کے مسلمان اباضی (خوارج) تھے۔ چمڑا اور غلام یہاں سے دساور کو بھیجے جاتے تھے (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 516/10)۔ زویلۃ السودان، اجدابیہ کے بالمقابل بلاد سودان اور افریقیہ کے مابین واقع ہے (معجم البلدان: 159/3)۔ اجدابیہ، بن غازی کے جنوب میں 150 کلومیٹر پر ساحل سے کچھ پرے ہے۔

[2] **طرابلس الغرب (ٹریپولی):** فنیقیوں نے ٹریپولی (Tripoli) کے نام سے دو شہر بسائے تھے۔ پہلا ٹریپولی ساحل شام پر 800 ق م میں بسایا گیا تھا جو در اصل تین (Tri) شہروں (Poli) کا مجموعہ تھا۔ اس پر 1109ء تا 1289ء صلیبی قابض رہے اور سلطان قلاوون نے اسے واپس لیا (المنجد في الأعلام)۔ ان دنوں طرابلس لبنان کی اہم بندرگاہ اور دوسرا بڑا شہر ہے۔ دوسرا ٹریپولی فنیقیوں نے شمالی افریقہ کے ساحل پر آباد کیا تھا۔ عربوں نے ٹریپولی کو معرب کر کے ''طرابلس'' کہنا شروع کر دیا، چنانچہ امتیاز کے لیے اول الذکر کو طرابلس الشام اور آخر الذکر کو طرابلس الغرب لکھا جاتا تھا۔ طرابلس الغرب یا صرف ''طرابلس'' ان دنوں لیبیا کا دارالحکومت ہے۔ اس کے نام پر ماضی قریب تک لیبیا کا ملک بھی طرابلس کہلاتا تھا۔

جزیرہ نمائے عرب

1

طبعی جغرافیہ

عراق پر اوّلین حملوں کا ذکر کرنے سے پہلے ہم جزیرہ نمائے عرب کا کچھ حال بیان کیے دیتے ہیں جہاں سے ان حملوں کا آغاز ہوا۔ جغرافیہ دانوں نے جزیرہ نمائے عرب کو درج ذیل طبعی حصوں میں بانٹا ہے:

تہامہ کی وادی

① تہامہ: یہ بحیرۂ احمر کے کنارے کا ساحلی میدان ہے جو بحیرۂ احمر اور پہاڑی سلسلے (حجاز) کے درمیان واقع ہے۔ ساحل کے ساتھ ساتھ سمندر میں مونگے (مرجان) کی چٹانیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اسی لیے ساحل پر بندرگاہوں کی کمی ہے، چنانچہ قدیم عرب زیرِ آب چٹانوں کے خطرات کی وجہ سے سمندری جہاز رانی کا زیادہ رجحان نہیں رکھتے تھے۔ اس کے برعکس اہل بحرین جہاز رانی میں طاق تھے۔ وہ اس علاقے کو ''تہامہ'' اس وجہ سے کہتے تھے کہ یہ لفظ اَلتَّهَمُ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں: ''حبس، یعنی ہوا کے ٹھہراؤ کے ساتھ شدید گرمی۔''

② حجاز: یہ جبال سراۃ کا سلسلہ ہے جو شام اور یمن کے درمیان پھیلتا چلا گیا ہے۔ اس کا عرض تقریباً 175 کلومیٹر ہے۔ اسے حجاز کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ تہامہ کے نشیب اور اندرون ملک نجد کے مابین حاجز (حائل) ہے۔ ماہرین جغرافیہ نے حجاز کو 12 حصوں میں تقسیم کیا ہے، یعنی: مدینہ، خیبر، فدک [1]، ذو مروہ، دار بَلِیّ، دار اَشجع، دار مُزینہ، دار جُہینہ، ہوازن کا ایک گروہ اور سُلیم اور ہلال کا بڑا حصہ، حرّہ لیلیٰ کا اگلا حصہ، شام سے متصل شِعب [2] کا علاقہ اور بَدا۔ [3] حجاز صنعاء (یمن) کی حد سے لے کر شام کی حد تک پھیلا ہوا ہے۔ مکہ

[1] فدک: حجاز کا یہ قصبہ مدینہ سے دو دن کے فاصلے پر ہے۔ فتح خیبر کی خبر سن کر اہلِ فدک نے نبی ﷺ کے پاس قاصد بھیج کر اپنے پھلوں اور اموال کا نصف دینے پر صلح کر لی (معجم البلدان: 238/4)۔ فدک، خیبر کے مشرق میں ایک بستی تھی جو آج کل ''حائل'' میں ''حائط'' کے نام سے معروف ہے۔ نبی ﷺ نے خیبر پہنچ کر مُحیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ''یہود فدک'' کے پاس بھیجا کہ انھیں اسلام کی دعوت دیں، مگر انھوں نے تاخیر کی لیکن جب خیبر کی فتح کا حال سنا تو ان پر رعب طاری ہو گیا اور انھوں نے پیغام دیا کہ ان کے ساتھ بھی اہل خیبر جیسا معاملہ کیا جائے۔ نبی ﷺ نے اسے منظور فرما لیا، چنانچہ فدک کی زمین صرف نبی ﷺ کے لیے مخصوص تھی (اس میں سے آپ اپنے اوپر خرچ فرماتے تھے، بنو ہاشم کے بچوں کی عیالداری کرتے تھے اور ان میں سے غیر شادی شدہ ضرورت مندوں کی شادی فرماتے تھے۔)
(السيرة النبوية لابن هشام: 368/3)

[2] شِعب: یہ عقبہ (اُردن) سے تین میل دور عقبہ اور قاع کے درمیان مکہ کے راستے پر ایک تالاب ہے۔ (معجم البلدان: 347/3)

[3] بَدا: یہ اَیلہ کے قریب ایک وادی ہے۔ بعض نے اسے وادی القریٰ میں اور بعض نے شام کے قریب وادیٔ عذرہ میں شامل قرار دیا ہے (معجم البلدان: 356/1)۔ اَیلہ (اَیلات) خلیج عقبہ کے سرے پر واقع فلسطینی بندرگاہ ہے جس پر اسرائیل قابض ہے۔

مکرمہ تہامہ میں ہے اور مدینہ منورہ حجاز میں۔

③ **نجد**: یہ جنوب میں یمن سے لے کر شمال میں صحرائے ساوہ (عراق) اور مشرق میں عروض تک پھیلا ہوا ہے۔ اسے نجد کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس کی زمین بلند (سطح مرتفع) ہے۔

④ **یمن**: یہ نجد کے جنوب میں جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی ساحل (ساحل بحیرۂ عرب) کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔

نقشہ 2

جزیرہ نمائے عرب کی طبعی تقسیم (632ء میں)

⑤ **عروض:** اس کا نام عروض اس لیے ہے کہ یہ یمن، نجد اور عراق کے درمیان (عرض میں) ساحل خلیج کے ساتھ مستطیل شکل میں واقع ہے۔ اس میں سطح مرتفع بھی ہے اور نشیب بھی، پہاڑ بھی ہیں اور وادیاں بھی اور اس میں بلاد یمامہ اور بحرین [1] شامل ہیں۔

جغرافیۂ عرب کا انسانی زندگی پر اثر

جزیرہ نمائے عرب کے جغرافیہ کا بھی اسلامی فتوحات کی رفتار پر اثر پڑا۔ گرمیوں میں خشک اور سخت گرم اور سردیوں میں سرد آب وہوا کا یہ وسیع و عریض خطہ ان لوگوں کے لیے انجانا تھا جو اس کے چشموں، کنووں اور موسموں سے آگاہ نہیں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر لشکر جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر اردگرد کے ممالک کو فتح کرتے چلے گئے اور باہر سے کبھی کوئی فوج جزیرہ نمائے عرب کو فتح کرنے نہیں آئی۔ یہاں انسانوں کی بود و باش ایسی تھی کہ خوراک کی قلّت، کھردرا لباس اور رہائش اور سفر میں سادگی اُس کے نمایاں پہلو تھے۔ علاوہ ازیں یہاں کے جانور بھی سخت کوش تھے۔ یوں جب فتوحات اسلامیہ کا آغاز ہوا اور اطراف میں لشکر بھیجے گئے تو ان کا ساز و سامان بہت قلیل ہوتا تھا۔ عرب اونٹوں اور گھوڑوں پر سفر کرتے اور تلواروں اور نیزوں سے لڑتے اور کمان سے تیر چلاتے تھے۔ اس لحاظ سے وہ فطری جنگجو تھے اور ہر عربی کے لیے ضروری تھا کہ وہ پانی اور سبزے کی تلاش میں نقل مکانی کرے، چنانچہ قبیلے کی شکل میں رہنا اجتماعی ضرورت بن گیا تھا۔ ہر شخص قبیلے کے ساتھ نقل مکانی کرتا تھا اور اسے اپنے قبیلے کی حمایت حاصل رہتی تھی۔ اس طرح قبائلی معاشرت پروان چڑھتی رہی تھی حتی کہ اردگرد کی دوسری تہذیبوں میں بھی قبائلی معاشرت عنقا نہیں تھی، تاہم اسلامی فتوحات کے بعد وہ بتدریج اس جدید تہذیب میں ڈھل گئی جو کوفہ، بصرہ اور فسطاط وغیرہ میں پروان چڑھی اور ہر شہر میں ہر عرب قبیلے کے نام پر ایک محلّہ آباد ہو گیا۔

قدیم بحرین اور موجودہ الاحساء (سعودی عرب) کا ایک

یہ قبائلی نظام کا خاصہ تھا کہ تجارتی قافلے یمن، شام، حیرہ، مصر اور عرب کے بازاروں کے مابین سفر کرتے تھے اور اس مقصد کے لیے راستوں سے واقف بدرقہ کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں اور یوں مختلف علاقوں میں باقاعدہ ماہرِ فن رہنمایانِ سفر موجود ہوتے تھے۔

عربوں کی اہم غذائیں یہ تھیں: کھجور، دودھ، اونٹ کا گوشت اور بعض اناج۔ ان میں سے بعض لوگوں میں رذیل عادات نے گھر کر لیا تھا، مثلاً: وہ حریف قبائل اور قافلوں پر دھاوا بول دیتے اور انھیں لوٹ لیتے تھے۔ ان میں اچھی عادات بھی تھیں، مثلاً: سخاوت، عالی ظرفی اور شجاعت۔ بعض عربوں میں بدوی شدّت اور اکھڑ پن بہت راسخ تھا اور بعض شائستگی اور نرمی کے لیے مشہور تھے۔

[1] **بحرین:** قدیم تاریخی اصطلاح میں ''بحرین'' بصرہ اور عُمان کے درمیان ساحل خلیج کے علاقوں پر مشتمل ہے (معجم البلدان: 112/4)۔ عہد نبوی میں سعودی عرب کا مشرقی ساحل بحرین کہلاتا تھا جس میں موجودہ جزائر بحرین اور قطر بھی شامل تھے۔ اس کا دارالحکومت ان دنوں دارین تھا جو موجودہ ظہران کے جنوب میں ساحل کے نزدیک واقع تھا۔ ان دنوں دارین، تاروت کہلاتا ہے جبکہ موجودہ امارت بحرین، جو خلیج فارس کے اندر ہے، سعودی عرب اور قطر کے مابین چند جزیروں کے مجموعے کا نام ہے جس کا دارالحکومت منامہ ہے۔ ماضی کا بحرین اب الاحساء (سعودی عرب کا مشرقی علاقہ) کہلاتا ہے۔
(اٹلس سیرت نبوی (اردو)، ص:30)

2

فتنۂ ارتداد کی جنگیں

نبی کریم ﷺ 12 ربیع الاول 11ھ / 9 مئی 632ء کو رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔[1] آپ نے وفات سے پہلے ایک لشکر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی قیادت میں سرحد شام کی طرف بھیجنے کے لیے تیار کیا تھا۔ یہ لشکر ابھی روانہ نہیں ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو انھوں نے لشکر اسامہ کو روانگی کا حکم دیا۔ اس دوران میں بعض قبائل نے زکاۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اسی طرح کئی اور قبائل مرتد ہوگئے اور ان میں سے بعض افراد نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا، مثلاً: اسود عنسی نے یمن میں، مسیلمہ بن حبیب کذاب نے بنی حنیفہ (یمامہ) میں، طُلَیحہ بن خُوَیلد نے بنواسد میں اور سجاح نامی عورت نے بنوتغلب میں دعوائے نبوت کر ڈالا۔ ادھر مدینہ منورہ کے اردگرد کے قبائل نے جب یہ دیکھا کہ شہر کے اکثر لوگ لشکرِ مجاہدین میں شامل ہو کر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے ہمراہ گئے ہوئے ہیں تو عبس اور ذُبیان قبائل نے پیش قدمی کی۔ وہ مدینہ پر چھاپہ مارنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک رات انھیں شہر سے باہر اچانک جا لیا اور ان کو شکست دے کر تتر بتر کر دیا (جمادی الآخرہ 11ھ / اگست 632ء)۔ اس دوران میں اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر فتح یاب ہو کر لوٹ آیا۔

پھر فتنۂ ارتداد کے استیصال کے لیے مدینہ منورہ سے لشکر بھیجے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گیارہ پرچم دے کر گیارہ جیش روانہ کیے تاکہ اس فتنے کا سدِّ باب ہو اور جزیرہ نمائے عرب کی وحدت بحال ہو جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جیوش کے آگے آگے تمام قبائل کے نام یہ اعلان ارسال کیا کہ انھوں نے ان ہدایات کے ساتھ لشکر بھیجے ہیں کہ جنگ سے پہلے قبائل کو اللہ کی دعوت دی جائے، پھر جو کوئی دعوت مان لے، اسے چھوڑ دیا جائے اور جو انکار کرے، اس سے لڑائی کی جائے اور بدلہ لیا جائے۔

فتنۂ ارتداد کے سدِّ باب کے لیے بھیجے گئے لشکر

مدینہ سے مختلف لشکر مختلف کمانداروں کی قیادت میں شعبان 11ھ / اکتوبر 632ء میں روانہ ہوئے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

① خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پہلے بنواسد کی طرف، پھر بنوتمیم اور پھر بنوحنیفہ کی طرف
② عِکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ بنوحنیفہ کی طرف
③ عکرمہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے شُرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ بنوحنیفہ کی طرف
④ طریف بن حاجز رضی اللہ عنہ بنوسُلیم اور ان کے حلیف بنوہوازن کے لوگوں کی طرف

[1] تقویم تاریخی (قاموس تاریخی) از عبدالقدوس ہاشمی، ص: 3 (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد) کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا یوم وفات بحساب شمسی تقویم 28 مئی 632ء ہے۔
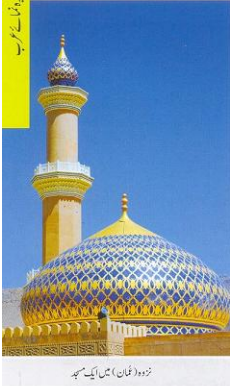
نقشہ 3

فتنۂ ارتداد کی جنگیں

نزوہ (عُمان) میں ایک مسجد

⑤ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قضاعہ، ودیعہ اور حارث کی طرف
⑥ خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اطرافِ شام میں تیماء کی طرف
⑦ علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ بحرین کی طرف
⑧ حذیفہ بن محصن غطفانی رضی اللہ عنہ عُمان [1] میں دَبَا کی طرف
⑨ عَرفجہ بن ہرثمہ رضی اللہ عنہ مہرہ (ساحل بحیرۂ عرب) کی طرف
⑩ سُوید بن مُقرن مزنی رضی اللہ عنہ تہامۂ یمن کی طرف
⑪ مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ پہلے صنعاء اور پھر حضر موت کی طرف

ان لشکروں نے اپنی مہمات چار ماہ کے اندر اور 11ھ کے ختم ہونے سے پہلے سر کر لیں اور تمام جزیرہ نمائے عرب واپس اسلام کے پرچم تلے آ گیا۔

فتنۂ ارتداد کے خلاف جنگوں کے نتائج

① حروب رِدّہ (ارتداد کے خلاف جنگوں) نے عقیدۂ اسلام اور خلافت کے زیرِ سایہ جزیرہ نمائے عرب کی وحدت برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔
② بلاشبہ ان جنگوں سے مسلمانوں کی تربیت ہوئی اور یہ اپنی وسعت کے اعتبار سے غزوات رسول اور عہدِ خلافت کی فتوحات کا درمیانی مرحلہ ثابت ہوئیں۔
③ ان جنگوں کے نتیجے میں جنگی مہارت رکھنے والے قائدین سامنے آئے۔ حروب رِدّہ میں ان کی صلاحیتیں چمک اُٹھیں اور پھر خلافت راشدہ میں انھیں فتوحات کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔
④ حروب رِدّہ میں مسلمانوں کی کامیابیوں اور فتوحات نے انھیں یہ اعتماد عطا کیا کہ وہ نظام حکومت سنبھالنے کی بے پناہ صلاحیتوں سے بہرہ ور ہیں اور تمکن فی الارض کے اُلوہی وعدے کے ایفا کا ذریعہ بننے کے قابل ہیں۔
⑤ ان جنگوں کے خاتمے پر ان میں شریک اسلامی لشکروں نے فارس اور روم کا رُخ کیا جو اسلام کو جزیرہ نمائے عرب تک محدود رکھنے اور مسلمانوں کو اس امر سے روکنے کا تہیّہ کیے ہوئے تھے کہ وہ عرب سے نکل کر آزادانہ لوگوں کو اپنے دین کی دعوت دیں۔

ان لشکروں کے ذریعے سے فارس و روم کے علاقوں میں جو فتوحات حاصل ہوئیں، انھی کی تفصیلات ہم اگلے صفحات میں پیش کر رہے ہیں:

[1] عُمان: یہ بحر یمن و ہند (بحیرۂ عرب) کے ساحل پر واقع عرب کا علاقہ ہے اور یہاں کے اکثر باشندے اباضی خوارج ہیں۔ اس کا اہم شہر صُحار ہے (معجم البلدان: 150/4)۔ سلطنت عمان جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مشرقی حصے میں واقع ہے۔ یہ ملک متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، ربع الخالی، یمن اور خلیج عمان و بحیرۂ عرب میں گھرا ہوا ہے۔ اس کا دارالحکومت مسقط ہے۔ 1508ء میں اس پر پرتگالیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ 1741ء میں احمد بن سعید نے عمان میں ایک سلطنت کی بنیاد رکھی۔ (المنجد في الأعلام)

3

جزیرہ نمائے عرب کی قبائلی تشکیل

یہ قبائل عرب کی جنگی اکائیاں ہی تھیں جن سے فارس وروم کی طرف نکلنے والے جیوش تشکیل پائے، لہٰذا قبائل کی تقسیم وتشکیل کا تذکرہ ضروری ہے۔ عرب قبائل دراصل دو بنیادی شاخوں سے تعلق رکھتے ہیں: قحطان اور عدنان۔ انھی دو میں سے مختلف قبائل اور ان کی شاخیں وجود میں آئیں۔ یمن، قحطان اور ان کی اولاد کا وطن رہا حتی کہ 120 ق م میں سدّ مأرب ٹوٹنے سے ایسا سیلاب آیا کہ قحطانی قبائل یہاں سے نکل کر جزیرہ نمائے عرب کے اندر نئے علاقوں میں جا بسے۔ ان میں اوس اور خزرج بھی تھے جو یثرب (مدینہ) میں آباد ہوئے۔ غسانی شام چلے گئے اور بنولخم نے حیرہ (عراق) جا بسایا۔ طے نے دو پہاڑوں اَجا اور سَلمٰی کے مابین اپنا مسکن بنایا اور کلب بن وبرہ قبیلہ، ساوہ [1] میں جا آباد ہوا۔ اُدھر عدنان اور ان کی اولاد اسماعیل بن ابراہیم ﷺ کی نسل سے تھے۔ [2]

قبائل عرب اور ان کے ذیلی قبیلے کثرت سے ہیں اور یہ بات بڑی اہم ہے کہ ان میں سے بیشتر قبیلے جزیرہ نمائے عرب سے جہاد کے لیے نکلے اور فتوحات اسلامیہ میں جا بجا اُن کا ذکر آتا ہے۔ یہاں یہ ملحوظ خاطر رہے کہ عراق وفارس اور مشرقی ممالک کے اکثر فاتحین کا تعلق بنوعدنان سے تھا جبکہ شام اور مصر کے اکثر فاتحین بنوقحطان سے تھے۔

بنوقحطان اور بنوعدنان کے مکمل اور تفصیلی شجرے اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیے!

[1] ساوہ: صحرائے ساوہ کوفہ (عراق) اور شام کے درمیان ایک بیابان ہے۔ اس کا نام ساوہ اس لیے رکھا گیا کہ یہ ہموار سرزمین ہے جس میں سنگلاخ چٹانیں نہیں۔ ساوہ بنوکلب کے ایک چشمے کا نام بھی ہے (معجم البلدان: 245/3)۔ ساوہ شہر جنوبی عراق میں دریائے فرات کے دائیں کنارے سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ناصریہ اور قادسیہ کے وسط میں ہے اور ان دونوں سے ساوہ کا فاصلہ تقریباً 90 کلومیٹر ہے۔ (ریفرنس اٹلس آف دی ورلڈ)

[2] بنوعدنان: یہ قبائل نجد، تہامہ اور حجاز میں آباد تھے۔ (معجم قبائل العرب: 761/2)

بنو قحطان اور اُن کے ذیلی قبائل

عرب کے قدیم ترین قبائل میں سے بنوقحطان کا جدِ امجد قحطان ارم بن سام (یا عابر بن شالخ بن شام) بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا بعض اسے اسمٰعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے بتاتے ہیں۔ بنوقحطان نجران، یمن، عسیر اور جنوبی نجد میں آباد تھے۔ ان کی آبادیاں حصاۃ، طوبجی، تثلیث، شہران، سبیع، ذواسر، قیوم اور بحر ابحرین میں واقع تھیں۔ سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کے نام پر قدیم یمن کو سبا کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید کی سورت نمبر 34 بھی سبا کے نام سے موسوم ہے۔

بنوقحطان میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ▪ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ▪ قبیلے کا جدِ امجد ← جدِ امجد کی بلاواسطہ اولاد ▪ عمرو بن لحی وہ پہلا شخص ہے جس نے جزیرہ نمائے عرب میں بت پرستی کو رواج دیا

ماخذ: اطلس التاریخی لسیرۃ الرسول ★ معجم القبائل العرب ★ اسد الغابۃ ★ معجم ما استعجم ★ کتاب الشجرۃ النبویۃ

http://www.esnips.com/user/urdubooks